قرآن مجید کی چند عربی تفسیریں

مطالعہ اور تعارف

ڈاکٹر صفدر سلطان اصلاحی

ملک اینڈ کمپنی

Marfat.com

Marfat.com

قرآن مجید کی چند عربی تفسیریں

مطالعہ اور تعارف

DATA ENTERED

ڈاکٹر صفدر سلطان اصلاحی

ملک اینڈ کمپنی

Marfat.com

297-16
G 7 U
۱۵۹۲۴

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں

نام کتاب : قرآن مجید کی چند عربی تفسیریں - مطالعہ اور تعارف
نام مؤلف : ڈاکٹر صفدر سلطان اصلاحی
اہتمام : ملک ساجد قادر
مارکیٹنگ مینیجر: ملک اسد علی قاسمی
مطبع : گنج شکر پرنٹرز
سن اشاعت : 2017
قیمت : 200 روپے

ملک اینڈ کمپنی

رحمان مارکیٹ، غزنی سٹریٹ، اردو بازار، لاہور۔ 54000
042-37248209، 03214021415

Marfat.com

فہرست

مقدمہ	v - vi
سفیان ثوریؒ اور اُن کی تفسیری خدمات	01-09
امام واحدیؒ اور اُن کی تفسیری خدمات	10-24
شیخ محمد عبدہ کی تفسیری خدمات	25-67
تفسیر فی ظلال القرآن- ایک تجزیاتی مطالعہ	68-101

Marfat.com

PUNJAB
UNIVERSITY
LIBRARY

Marfat.com

مقدمہ

مسلمانوں کی ھدایت اوراصلاح کا بنیادی سرچشمہ قرآن مجید ہے اس لئے ابتداء سے مسلمانوں نے قرآن مجید کی خدمت اوراس کے فہم وتدبر کواپنے لئے سرمایہ حیات سمجھا۔ خودآنحضرتؐ قرآن مجید کی تبیین وتشریح کی خدمت پر مامور تھے۔ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

"وانزلنا الیک الذکر لتبین للناس ما انزل الیھم ولعلھم یتفکرون" (النحل: ۴۴)

(اورہم نے تمہاری جانب ذکر (قرآن مجید) کواتارا ہے تا کہ تم اسے لوگوں سے بیان کرو)

رسول اللہؐ نے قرآن مجید کی آیات اورسورتوں کی جوتشریح وتفسیر کی یوں تو بیشتر صحابہ کرام نے آپؐ کے دیگر اقوال کی طرح انہیں محفوظ کیا اور دوسروں تک منتقل کیا لیکن قرآن مجید سے ذہنی مناسبت اوراس پر تدبر وتفکر کی صلاحیت اورقدرت کے باعث بعض صحابہ نے خاص طور سے اس میں حصہ لیا اور بے شمار تفسیری اقوال اپنے بعد کے لوگوں (تابعین عظام) تک پہنچانے کا عظیم کارنامہ انجام دیا۔ان صحابہ میں کم ازکم دس ایسے ہیں جن سے بے شمار آیات قرآنی کی تفسیر وتاویل پر مبنی روایات موجود ہیں ان میں سے کئی ایک کو باضابطہ طور سے مفسر قرآن کی حیثیت سے یاد کیا جاتا ہے۔ان حضرات کی تعلیم وتربیت سے تابعین عظام میں سے ایک بڑی جماعت تیار ہوگئی۔انہوں نے قرآن مجید کے سیکھنے اور سکھانے کا خاص اھتمام کیا اورعلم تفسیر کومحفوظ رکھنے کے لئے نمایاں خدمات انجام دیں۔ تفسیر کی تاریخ لکھنے والوں نے ایسے دو درجن تابعین کے اسماء گرامی کا تذکرہ کیا ہے۔عہد تابعین کے بعد دیگر اسلامی علوم کی طرح علم تفسیر میں بھی مسلم علماء نے اپنی توجہ اور جانفشانی سے گراں قدر اور بیش بہا سرمایہ اورخزانہ اپنی یادگار چھوڑا۔ چنانچہ امت کی تاریخ کے ہر دور

Marfat.com

اور ہر زمانے میں قرآن حکیم کی متعدد تفسیریں لکھی گئی ہیں جن میں سے بہت سی آج بھی متداول ہیں۔اس سرمایہ کو دیکھ کر کوئی یہ دعویٰ تو نہیں کرسکتا کہ تفسیر قرآن کا حق ادا ہوگیا ہے لیکن یہ بات بلاخوف تردید کہی جاسکتی ہے کہ کہ دنیا میں کسی کتاب کی نہ اتنی شرحیں لکھی گئی ہیں، نہ اتنے ترجمے ہوئے ہیں اور نہ اس کے مختلف پہلوؤں کو اس قدر اجاگر اور نمایاں کیا گیا ہے۔

پیش نظر کتاب میں تفسیر کے اس عظیم الشان ذخیرہ میں سے چار تفاسیر اور ان کے مؤلفین پر گفتگو کی گئی ہے۔مشہور تابعی سفیان ثوری (۹۷ھ۱۶۱ھ)، امام ابوالحسن علی بن احمد الواحدی النیسابوری (۳۹۸ھ۴۶۸ھ)، شیخ محمد عبدہ (۱۸۴۹ء۱۹۰۵ء) اور سید قطب شہید (۱۹۰۶ء۱۹۶۶ء)۔یہ دراصل چار مقالات ہیں جو مختلف اوقات میں لکھے گئے ہیں۔ان میں جن مفسرین یا تفاسیر کا مطالعہ اور تجزیہ پیش کیا گیا ہے ان کے انتخاب میں کسی منصوبہ یا منطقی ترتیب کا دخل نہیں ہے اس لئے ان کے مابین باہم ربط و تعلق بھی نہیں ہے۔تاہم یہ محض اتفاق ہے کہ یہ امت مسلمہ کی تاریخ کے تین بڑے ادوار کی نمائندہ تفاسیر ہیں۔پہلی عہد تابعین، دوسری خلافت عباسیہ کے دور آخر اور تیسری اور چوتھی بیسویں صدی عیسوی کی یادگار اور ترجمان ہیں۔

یہ مقالات پہلے برصغیر کے معروف قرآنی مجلّہ ''علوم القرآن'' علی گڑھ میں شائع ہوئے تھے۔میں مجلّہ کے مدبر اعلیٰ (محترم پروفیسر اشتیاق احمد ظلی صاحب) اور اس کے مدیر (محترم پروفیسر ظفر الاسلام اصلاحی صاحب) کا بے حد ممنون و مشکور ہوں جنہوں نے ان تفاسیر کے مطالعہ و تجزیہ اور ان کا تعارف پیش کرنے کے لئے میری حوصلہ افزائی اور سرپرستی کی اور پھر اس حقیر کاوش کو اپنے موقر مجلّہ کے قیمتی صفحات میں شامل کیا۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ انہیں اس کا بہترین اجر عطا فرمائیں۔آمین

۱۰/اپریل ۲۰۱۵ء

صفدر سلطان اصلاحی

Marfat.com

سفیان ثوریؒ
اور اُن کی تفسیری خدمات

(حضرت سفیان ثوریؒ (۹۷-۱۶۱ھ) جلیل القدر تابعی، معروف فقیہ، محدث اور مفسر ہیں۔ فقہ نے غیر معمولی لگاؤ کی وجہ سے انھیں "فقیہ العرب" کا لقب دیا گیا۔ فقہ، حدیث اور دیگر علوم میں ان کی تصنیفی و تحقیقی خدمات سے سب ہی واقف ہیں۔ تفسیر کی کتابوں میں ان سے مروی روایات کی تعداد بہت زیادہ ہے۔ لیکن یہ بات بہت کم لوگوں کو معلوم ہے کہ ان کی تفسیری روایات کو ان کے ایک شاگرد نے یکجا مرتب کر دیا تھا جس کو تقریباً ایک مستقل تفسیر کی حیثیت حاصل ہے۔ ڈاکٹر ہاشم عبد یاسین المشہدانی نے اس تفسیر کی اہمیت کے پیش نظر اسے اپنے ایم۔اے کے مقالہ کے لیے منتخب کیا جس پر انھیں جامعہ ازہر کے کلیہ اصول الدین نے ایم۔اے کی ڈگری عطا کی۔ بعد میں یہ مقالہ عراق سے شائع ہوگیا۔ جو ۵۹۰ صفحات پر مشتمل ہے۔ اسی کی روشنی میں سفیان ثوریؒ اور ان کی تفسیری خدمات کا مختصر جائزہ ذیل کے صفحات میں پیش کیا جا رہا ہے)

سفیان بن سعید بن مسروق ثوریؒ کی پیدائش ۹۷ھ/۷۱۵ء کو کوفہ میں ہوئی۔ ان کے والد سعید بن مسروق انتہائی قابل اعتماد اور مشہور محدث تھے اور والدہ کوفہ کی ایک متقی، پرہیزگار اور صاحب فہم و فراست خاتون تھیں۔ خود کوفہ شہر شروع ہی سے صحابہؓ اور تابعینؒ کی مخصوص توجہ کا مرکز رہا جس کی وجہ سے قرآن اور فقہ کے ممتاز علماء کا مستقر بن گیا تھا۔ سفیان ثوریؒ کے عہد کو اسلامی علوم و فنون کی نشوونما اور ارتقاء کا عہد کہا جاتا ہے۔ انھوں نے اپنے والدین کی رہنمائی میں کوفہ کی علمی و ادبی فضا سے کما حقہ استفادہ کیا۔ علم کی مزید تحصیل کے لیے انھوں نے

Marfat.com

مکہ، مدینہ، خراسان، شام اور بصرہ کا سفر کیا اور اپنے زمانے کے تقریباً تمام مشہور علماء سے براہ راست ملاقات کر کے سوالات، گفتگو اور بحث و مباحثہ کے ذریعہ اپنی علمی پیاس کو بجھایا۔ کوفہ، بصرہ اور حجاز میں ان کے اساتذہ اور مشائخ کی تعداد تقریباً ڈھائی سو تک پہنچتی ہے۔ پوری زندگی حصولِ علم میں سرگرداں رہے۔ جس کی وجہ سے جہاں انھوں نے سیکڑوں سے استفادہ کیا وہیں ہزاروں اور لاکھوں کو فائدہ پہنچایا۔ ان کے شاگردوں کی تعداد ناقابلِ شمار ہے۔

سفیان ثوریؒ کو بارگاہ ایزدی سے مخصوص صلاحیتیں اور خوبیاں ودیعت ہوئی تھیں۔ آپ کی شخصیت علم و ثقاہت، جرأت و بے باکی، صبر و استقامت، زہد و ورع اور تقویٰ و خیر خواہی سے مرکب تھی۔ حق گوئی کی وجہ سے زندگی کا بہت بڑا حصہ جلاوطنی کی نذر ہو گیا۔ خلیفہ منصور اور مہدی کے ظلم و جور اور فضول خرچیوں پر انھوں نے کھلے عام تنقید کی اور کوئی لالچ یا دھمکی انھیں اعلاء کلمۃ اللہ سے روک نہیں سکی۔ دونوں خلفاء کی طرف سے انھیں متعدد بار عہدۂ قضا کے قبول کرنے پر مجبور کیا گیا لیکن انھوں نے سختی سے انکار کر دیا۔ خلیفۂ وقت پر بے باکانہ تنقید اور عہدۂ قضا کی قبولیت سے انکار کی وجہ سے انھیں بے پناہ مصائب اور مشکلات کا سامنا کرنا پڑا تاہم ان کے پائے ثبات میں کبھی لغزش نہیں آئی۔ ان کے عزم و ارادہ کی پختگی، راہ خدا میں استقامت اور حق گوئی و بے باکی نے عوام و خواص ہر ایک کو متاثر کیا۔ اُن کا انتقال بصرہ میں سنہ ۱۶۱ھ / ۷۷۸ء میں ہوا۔ ان کے انتقال پر کوفہ و بصرہ میں صفِ ماتم بچھ گئی۔

تصانیف :

سفیان ثوریؒ قدیم مصنفین میں ایک ممتاز حیثیت کے مالک ہیں۔ انھوں نے تفسیر، حدیث اور فقہ پر بہت سی کتابیں تصنیف کیں۔ حدیث اور فقہ ان کے خاص موضوع تھے۔ تصنیف و تالیف اور مطالعہ ان کا محبوب مشغلہ تھا۔ کتب حدیث اور تفاسیر میں ان سے مروی روایتیں کثیر تعداد میں پائی جاتی ہیں۔ قدیم ماخذ اور کتابیاتی مصادر میں ان کی جن مستقل کتابوں کا ذکر ملتا ہے ان کی تعداد گرچہ بہت زیادہ ہے لیکن ان میں سے چند کے علاوہ بقیہ تمام حوادثِ زمانہ کی نذر ہو گئیں۔ علمی ذخائر میں اب تک ان کی صرف نو کتابوں کا پتہ چل سکا ہے جن کے نام یہ ہیں :

Marfat.com

(۱) کتاب تفسیر القرآن (۲) کتاب الفرائض (۳) الاعتقاد (۴) ما اسندہ سفیان الثوری۔
(۵) رسالۃ فی الزہد (۶) وصیۃ الی علی بن الحسن السلمی (۷) الجامع الکبیر فی الفقہ والاختلاف
(۸) الجامع الصغیر (۹) کتاب آداب سفیان الثوری

تفسیر قرآن :

سفیان ثوریؒ نے قرآن مجید کی کوئی باقاعدہ تفسیر نہیں لکھی البتہ ان کے تفسیری اقوال اور روایات کو ان کے ایک شاگرد ابو حذیفہ موسیٰ بن مسعود النہدی البصری نے بڑی محنت اور سلیقہ سے کتابی شکل میں یکجا کر دیا تھا۔ اس کی کتابت تیسری صدی ہجری میں کوفی رسم الخط میں کی گئی تھی۔ اس کے تمام نسخے تقریباً ضائع ہو گئے تھے صرف ایک نسخہ رضا لائبریری (رام پور) میں محفوظ تھا۔ یہ نسخہ شروع سے آخیر تک انتہائی شکستہ اور ناقص تھا اور اس کے اوراق بڑی بوسیدہ حالت میں تھے۔ اس کی عبارت کا پڑھنا، صفحات کو مرتب کرنا، الفاظ کی تصحیح اور مختلف افراد، مقامات وکتب کے ناموں کی تنقیح ایک مشکل کام تھا۔ اس کام کے لیے ایک محنتی اور نکتہ رس محقق کی ضرورت تھی۔ خدا نے اس جلیل القدر کام کی تکمیل کا شرف مولانا امتیاز علی عرشی مرحوم کو عنایت فرمایا۔ مرحوم ایک عرصے تک رام پور کی لائبریری کے منتظم تھے ان کی شخصیت علمی وادبی حلقوں میں بڑی عزت وتکریم کی نظر سے دیکھی جاتی ہے۔ انھوں نے مخطوطہ کی تدوین میں بڑی جانفشانی اور ژرف نگاہی سے کام لیا اور اس متاع گم گشتہ کو افادہ عامہ کے قابل بنا دیا۔

اس مخطوطہ میں ۴۹ سورتوں کی متعدد آیتوں پر سفیان ثوری کے ۹۱۱ تفسیری اقوال ہیں۔ اس کی اکثر روایتیں مرفوع یا منقطع یا موقوف ہیں جن میں بعض اقوال سفیان ثوری کے ہیں اور اکثر وبیشتر کی مفسرین سے مروی ہیں۔ تفسیری کتابوں کے مطالعہ کے بعد یہ حقیقت واضح ہوتی ہے کہ اس تفسیر میں سفیان ثوریؒ کے تمام تفسیری اقوال اور افکار کو نقل نہیں کیا جا سکا۔ حدیث، تفسیر، علوم القرآن، تاریخ، تراجم، تصوف اور لغت کا بالاستیعاب مطالعہ کر کے اگر ان کے اقوال کو اکٹھا کیا جائے تو اس سے اس مخطوطہ پر ایک بیش بہا اضافہ ہوگا جس کے بعد

Marfat.com

ثوریؒ کی تفسیر ایک مکمل تفسیر ہو سکتی ہے یقیناً یہ ایک مشکل کام ہے۔ اس کے لیے حدیث اور تفسیر سے متعلق وسیع لٹریچر کا خاص طور سے استقصا کرنا ہوگا اور بحث و تحقیق کے مشکل مراحل سے گزرنا ہوگا۔ لیکن یہ کام یقیناً اس لائق ہے کہ اس کے لیے ایک ہفت خواں سر کی جائے۔

تفسیری مآخذ :

سفیان ثوریؒ کے تفسیری مآخذ بہت زیادہ ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ انھوں نے ماثورات و منقولات پر اعتماد کے ساتھ ساتھ تدبر و تفکر اور اجتہاد و استنباط سے غفلت نہیں برتی۔ بلکہ وہ غور و خوض کو تفسیری کام کے لیے انتہائی ضروری قرار دیتے ہیں۔ جس طرح وہ اقوال صحابہؓ و تابعینؒ کو نقل کرتے ہیں اسی طرح عربی زبان، عربی تاریخ، عربی قواعد و ضوابط اور غور و فکر سے بھی مدد لیتے ہیں۔ ان کے تفسیری مآخذ وہی ہیں جو اکثر و بیشتر قدیم مفسرین کے یہاں معروف ہیں یعنی قرآن مجید، حدیث، اقوال صحابہ و تابعین، لغت اور تدبر و استنباط۔

منہج تفسیر :

"تفسیر القرآن بالقرآن" علماء کے نزدیک متفقہ طور سے قرآن کی تفسیر کا بنیادی اصول ہے۔ قرآن کی تفسیر قرآن کے ذریعہ وہی شخص کر سکتا ہے جو قرآنی آیات کا بہترین علم رکھتا ہو اور ان کے معانی و مفاہیم کو سمجھتا ہو۔ سفیان ثوریؒ نے تفسیر کے اس اصول کو ہمیشہ مقدم رکھا ہے۔ وہ اپنی تفسیر میں ایک آیت کی تشریح اسی جیسی دوسری آیات سے اور ایک مفہوم کی وضاحت اسی جیسے دوسرے مفہوم سے پیش کرنے کی پوری کوشش کرتے ہیں ان کی تفسیر سے اس کی بے شمار مثالیں پیش کی جا سکتی ہیں بالخصوص وہ واقعات اور قصص کی تشریح و توضیح میں اس سے بڑی مدد لیتے ہیں۔ آخرت، جنت اور جہنم کے مناظر نیز دنیا کی بے ثباتی سے متعلق آیات کو وہ زیادہ تر قرآن ہی کی مدد سے واضح کرتے ہیں۔

قدیم مفسرین مختلف قراءتوں سے واقفیت کو قرآن کی تفسیر کے لیے ضروری خیال کرتے تھے۔ ان کے نزدیک اختلافِ قراءت سے ترجمہ و تفسیرِ قرآن میں خاصا فرق واقع

Marfat.com

ہو جاتا ہے۔ ان قراءتوں سے واقفیت کا فائدہ یہ ہوتا ہے کہ مفسر بیک وقت کئی پہلوؤں پر غور کر سکتا ہے۔ سفیان ثوریؒ کی تفسیر کے مطالعہ سے یہ بات کھل کر سامنے آتی ہے کہ وہ قرأت سبعہ سے واقف تھے اور اس سے انھوں نے اپنی تفسیر میں خاصا استفادہ کیا ہے۔ قرأت کے تعلق سے اس امر کی وضاحت ضروری معلوم ہوتی ہے کہ اس سے قرآن کی تشریح و توضیح میں جتنا فائدہ ہوا ہے اس سے کہیں زیادہ اس سے نقصان ہوا ہے۔ بہت سے مقامات پر قرآن کے معانی کی وضاحت میں جو دشواریاں پیش آتی ہیں ان کا معاملہ بھی کچھ کم اہم نہیں لیکن اس سے بھی زیادہ تشویشناک بات یہ ہے کہ اس اختلاف قرأت سے فائدہ اٹھا کر مستشرقین نے قرآن کے تحفظ کو (نعوذ باللہ) مشکوک اور مشتبہ قرار دینے کی بھرپور کوشش کی ہے۔

سفیان ثوریؒ کو علوم قرآن پر مکمل دسترس حاصل تھی۔ وہ سورتوں کے شانِ نزول، زمانۂ نزول، ان کے اسماء و فضائل، نظم قرآن، معرب و محکم نیز متشابہ الفاظ، آدابِ تلاوت، اسلوب قرآن، حروف مقطعات اور ناسخ و منسوخ سے اچھی طرح واقف تھے۔ چنانچہ انھوں نے اپنی تفسیر میں ان علوم سے بھرپور استفادہ کیا۔ اسی طرح وہ زبان و بیان، نحو و صرف اور ادب و بلاغت کے مسائل وغیرہ پر بڑی قدرت رکھتے تھے۔ اسی باعث ان کی تفسیر میں الفاظ کی تشریح، کلمات پر بحث، جملوں میں ربط و تعلق اور اعراب کے اختلاف پر سیر حاصل گفتگو کی گئی ہے۔

حروف مقطعات کے متعلق سفیان ثوریؒ عام محدثین کی طرح یہ خیال رکھتے ہیں کہ یہ حروف قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کے رازہائے سربستہ ہیں جن پر گفتگو کرنے کو وہ ناپسند کرتا ہے اور ایمان لانے کا مطالبہ کرتا ہے۔ اس خیال کے باوجود انھوں نے بعض حروف کی تشریح کی بھی کوشش کی ہے مثلاً وہ کٓهٰیٰعٓصٓ کے معنی کبیر، ہادی، امین، عزیز اور صادق بتاتے ہیں اور یٰسٓ سے یا محمد مراد لیتے ہیں۔

ثوریؒ نے آیات متشابہات اور محکمات کی وضاحت کی ہے۔ جن آیتوں کی تفسیر و توضیح ممکن ہوا انہیں وہ محکم سمجھتے ہیں اور جن کی تفسیر ممکن نہ ہوا انھیں متشابہ قرار دیتے ہیں وہ آیات متشابہات پر گفتگو کو ناجائز اور ان پر ایمان کو ضروری سمجھتے ہیں۔ انھوں نے اپنے

Marfat.com

مسلک پر مختلف اہل علم، محدثین اور صحابہؓ و تابعینؒ کے اقوال سے استدلال کیا ہے۔ حروف مقطعات، صفات باری تعالیٰ، قیامت اور اس کے مناظر، خروج یاجوج وماجوج، دجال اور عیسیٰؑ کا نزول وغیرہ سے متعلق آیات کو وہ متشابہ قرار دیتے ہیں۔

امام ثوریؒ نسخ کے وقوع کے قائل ہیں اور ناسخ ومنسوخ کے متعلق علم حاصل کرنے پر زور دیتے ہیں۔ ان کی تفسیری روایات میں ناسخ ومنسوخ سے متعلق متعدد جگہوں پر مباحث ملتے ہیں۔ ان کے یہاں نسخ کے مفہوم میں منتقل کرنا، زائل کرنا، بھلانا اور محو کرنا شامل ہے۔ نسخ کے سلسلے میں ان کا موقف اعتدال اور میانہ روی پر مبنی ہے وہ کسی مضبوط دلیل یا قرینے کے بغیر نسخ کو تسلیم نہیں کرتے چنانچہ ایک طرف جہاں انھوں نے بہت سی آیتوں کے منسوخ ہونے کو تسلیم کیا ہے تو دوسری طرف بہت سی آیتوں کے بارے میں یہ وضاحت کی ہے کہ یہ منسوخ نہیں ہیں حالانکہ بعض دوسرے علماء انھیں منسوخ مانتے ہیں۔

امام ثوریؒ نے اپنی تفسیر میں ماثورات ومنقولات پر اعتماد کے ساتھ ساتھ عقل وفہم اور قوتِ اخذ واستنباط کو بھی استعمال کیا ہے۔ سلفی مفسر ہونے کی وجہ سے یقیناً انھوں نے ماثورات ومنقولات کو عقل وفکر پر ترجیح دی ہے لیکن پھر بھی اجتہاد واستنباط اور غور وفکر کو بالکل نظر انداز نہیں کیا۔ خود ماثورات کی بحث وتحقیق میں انھوں نے روایت اور درایت کے تمام اصولوں کو ہمیشہ پیشِ نظر رکھا چنانچہ یہی وجہ ہے کہ ان سے مروی تفسیری روایات کو عام طور سے صحیح قرار دیا گیا ہے۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ ثوریؒ کی تفسیر بالرائے اصول وضوابط کی پابند ہے اور ان سے کہیں بھی زیادتی یا تجاوز سرزد نہیں ہوا ہے۔ انھوں نے تفسیر بالرائے کے لیے قرآن وحدیث پر گہری نظر، عربی زبان وادب سے واقفیت اور دینی فہم وفراست کو ضروری قرار دیا ہے۔

عقیدے سے متعلق آیتوں کی تفسیر میں ثوریؒ نے سلفی مسلک اختیار کیا ہے وہ عقیدے کے اعتبار سے علماء اہل سنت والجماعت کے ساتھ ہیں۔ ثوریؒ نے اپنی تفسیر میں عقیدے کے جن اہم مباحث سے تعرض کیا ہے ان میں صفات باری تعالیٰ کا مسئلہ سرفہرست ہے اس مسئلہ میں علماء کے اختلافات کافی مشہور ہیں۔ ثوریؒ صفات باری تعالیٰ سے متعلق آیاتِ

Marfat.com

متشابہات میں شمار کرتے ہیں۔ اسی طرح رویتِ باری تعالیٰ، مسئلہ خلق قرآنی، عذاب قبر اور معراج سے متعلق مباحث میں انھوں نے اسلاف کے مسلک کی پرزور تائید کی ہے۔ البتہ مسئلہ جبر و قدر میں انھوں نے اسلاف سے اختلاف کرتے ہوئے اعتدال اور میانہ روی کی راہ اختیار کی ہے۔ ان کا مسلک جبریہ اور قدریہ کے متشدد نظریات کے بین بین ہے۔

سفیان ثوری رح فقہ کے ایک مشہور امام ہیں۔ ان کے فقہی افکار کو علماء کے یہاں منفرد مقام حاصل ہے۔ ان کا مسلکِ فقہ ایک مستقل مسلک مانا جاتا ہے۔ فقہ سے غیر معمولی لگاؤ اور اس پر مکمل قدرت کی وجہ سے انھیں فقیہ العرب کہا گیا ہے۔ فقہ میں ان کی چند مستقل تصانیف بھی ہیں۔ ان تصنیفات کے علاوہ ان کے فقہی اقوال فقہ کی تمام متداول کتابوں میں پائے جاتے ہیں۔ تعمق، استنباط، وسعت اور احوال و ظروف سے واقفیت کی وجہ سے ان کے فقہی اقوال تمام مسالکِ فقہ میں یکساں اہمیت کے حامل سمجھے گئے ہیں۔ قرآنی آیات کی فقہی تفسیر میں ان کے اقوال بہت کثرت سے پائے جاتے ہیں۔ تفسیر کی کتابوں میں ان کی بے شمار مثالیں موجود ہیں۔

کلام الٰہی کی تفسیر میں عربی زبان و ادب سے واقفیت کا بڑا دخل ہے۔ سفیان ثوری رح عربی زبان کے تمام مسائل، رموز و اشارات اور اصول و ضوابط سے آگاہ تھے اسی وجہ سے اپنی تفسیر میں اس سے بھرپور فائدہ اٹھایا ہے۔ انھوں نے اپنی تفسیر میں تعقید، غموض، ابہام اور بے جا مبالغہ آرائی سے احتراز کیا ہے۔ ان کی تفسیر میں اختصار اور باریک بینی کا جگہ جگہ مشاہدہ کیا جا سکتا ہے۔ انھوں نے کلمات کے اندر مخفی معانی و انکار کو کھول کھول کر بیان کر دیا ہے اور عربی زبان کے مسائل پر غور و فکر کر کے الفاظ کے انتہائی خوبصورت اور برمحل معانی کی تلاش کی ہے۔ انھوں نے کبھی کبھی تفسیر میں معانی کی وضاحت کے لیے ہاتھوں اور انگلیوں کی مختلف حرکات و سکنات پر اعتماد کیا ہے۔ اس عملی تفسیر سے ان کا مقصد یہ ہے کہ معانی مکمل طور پر واضح ہو جائیں اور ذہن میں ان کا نقشہ سا کھنچ جائے۔

سفیان ثوری رح اپنے دور کے بعض دوسرے اہلِ علم کی طرح اسرائیلیات کی مضرتوں سے آگاہ ہو چکے تھے۔ اسی لیے وہ ان کو قبول اور نقل کرنے میں کافی احتیاط سے کام لیتے تھے۔ انھوں نے یہودیوں اور عیسائیوں سے مروی تفسیری روایات کی قبولیت کے لیے بڑے

Marfat.com

سخت اور مضبوط اصول و قواعد وضع کیے اور تمام روایات کی پوری تحقیق و تفتیش کی۔ اس طرح وہ خود ساختہ اور بے بنیاد تفسیری روایات کے ایک بڑے حصے کو اپنی تفسیر سے الگ کرنے میں کامیاب ہو گئے لیکن ان تمام احتیاطی تدابیر کے باوجود بعض روایات کے سلسلے میں ان سے چوک ہو گئی اور انھوں نے کچھ ایسی اسرائیلی روایات کو بھی اپنی تفسیر میں نقل کر دیا ہے جو قرآن و حدیث کے مزاج سے میل نہیں کھاتیں۔

علمی خدمات اور اثرات:

سفیان ثوریؒ کی تفسیری خدمات بہت زیادہ ہیں۔ اس کے علاوہ انھوں نے اپنے شاگردوں کی ایک ایسی ٹیم تیار کر دی جس نے قرآن مجید کی خدمت میں بڑا حصہ لیا اور امام ثوریؒ کی تفسیری روایتوں کو نقل کیا۔ اسی طرح ان کی تصانیف کو بھی قرآن مجید کی تشریح و تفسیر میں بڑی اہمیت حاصل ہے انھوں نے علم تفسیر اور دیگر علوم پر غور و فکر کرنے کا جو دقیق نہج اختیار کیا اس سے بعد میں آنے والوں کو قرآن فہمی کے اصول و ضوابط اخذ کرنے میں بڑی مدد ملی۔

امام ثوریؒ نے جن لوگوں سے روایت کی ہے ان کی تعداد بہت زیادہ ہے۔ ان میں چند ایسے بھی ہیں جن سے انھوں نے خصوصی استفادہ کیا ہے جبکہ دوسرے مفسرین اور محدثین نے ان کو اس توجہ کا مستحق نہیں سمجھا۔ اس طرح ان کے ذریعہ ایک بہت بڑا علمی ذخیرہ ہم تک منتقل ہو سکا۔ انھوں نے بعض غیر ثقہ افراد سے بھی روایت کی ہے استفادہ اور روایت کا یہ عمل روایت اور درایت کے مضبوط اصولوں پر مبنی تھا جس کی تفصیل انھوں نے بیان کر دی ہے۔ بعد میں مفسرین اور محدثین نے ان کی روایات کو صحیح قرار دیا ہے۔

روایتوں کی سماعت اور قبولیت میں ثوریؒ نے جو طریقہ اختیار کیا تھا اسے بلاشبہ ایک سائنٹفک اور علمی طریقہ کہا جا سکتا ہے انھوں نے اسناد کا جرح و تعدیل کے اصولوں کی روشنی میں جائزہ لیا۔ اکثر و بیشتر وہ روایات کو سنتے ہی لکھ لیا کرتے تھے۔ وہ کسی کتاب سے سماعت اور قراءت کو زبانی سماعت و قرأت پر ترجیح دیتے تھے۔

سفیان ثوریؒ کے بعد ان کے تفسیری اقوال اور روایات کو مفسرین نے جس طرح اعتماد کے ساتھ نقل کیا اس سے ان کی علمی صلاحیت اور برتری کا مکمل اعتراف ہوتا ہے۔ تفسیر کی کتابیں

Marfat.com

ان کے اقوال سے بھری پڑی ہیں۔ بلاشبہ مفسرین کی ایک بڑی تعداد سفیان ثوریؒ سے متاثر ہوئی ہے جن میں امام طبریؒ، عبدالرزاقؒ، ابن ابی حاتمؒ، قرطبیؒ، سیوطیؒ، ابن جوزیؒ اور ابن عطیہؒ کا نام خاص طور سے قابلِ ذکر ہے۔

مفسرین کی طرح علماءِ حدیث اور علماءِ فقہ بھی ان سے متاثر اور مستفید ہوئے ہیں۔ محدثین میں امام بخاریؒ، امام مسلمؒ اور ابن ماجہؒ وغیرہ اور فقہاء میں ابن رشدؒ، ابن حزمؒ اور ابن قدامہؒ وغیرہ نے ان سے بہت سی احادیث اور فقہی افکار و خیالات کو نقل کیا ہے۔ اسی طرح تصوف، سیرت، ترجمہ اور تاریخ وغیرہ کی کتابوں میں بھی ان سے استفادہ کیا گیا ہے۔ امام نعیمؒ، ابن ابی حاتمؒ اور بلاذریؒ وغیرہ کی تصانیف اس کی بہترین مثال ہیں۔

Marfat.com

امام واحدیؒ اور اُن کی تفسیری خدمات

امام واحدی پانچویں صدی ہجری کے مشہور مفسرِ قرآن گزرے ہیں۔ ان کی تفاسیر میں علوم نقلیہ اور علوم عقلیہ کا حسین امتزاج پایا جاتا ہے۔ معاصر مفسرین میں ان کا مقام بہت نمایاں ہے اور بعد کے مفسرین پر بھی ان کے براہ راست اثرات مرتب ہوئے۔ لیکن ان کے علمی مقام و مرتبہ اور تفسیری خدمات و تحقیقات سے عموماً لوگ کچھ زیادہ واقف نہیں ہیں۔ یہ کمی ڈاکٹر جودہ محمد ابو زید المہدی النقشبندی نے پوری کی۔ ڈاکٹر موصوف کا تعلق مصر کے ایک صوفی خانوادہ سے ہے۔ انھوں نے اعلیٰ تعلیم جامعہ ازہر سے حاصل کی اور تفسیر و حدیث ان کے پسندیدہ موضوع ہیں انھوں نے تفسیر اور علوم تفسیر پر ایم اے اور پی ایچ ڈی کی ڈگریاں حاصل کیں۔ پیشِ نظر مقالہ اُن کی علمی کاوش کا نتیجہ ہے۔ وہ مصر کی مختلف جامعات میں تدریسی خدمات بھی انجام دے چکے ہیں۔ تصوف اور صوفیاء پر ان کی کئی تالیفات ہیں۔ یہ مقالہ کل ۵۰۴ صفحات پر مشتمل ہے۔ اسے مصری وزارت اوقاف نے بڑے اہتمام سے شائع کیا ہے۔ مقالے کی زبان اور انداز بے حد علمی اور تحقیقی ہے۔ افادۂ عام کی غرض سے اس کا خلاصہ پیش کیا جا رہا ہے۔

سوانحی خاکہ:

امام واحدی کا تعلق خراسان کے مشہور شہر "سادہ" سے تھا۔ یہ شہر ری اور ہمدان کے درمیان واقع تھا۔ آباء و اجداد کے تجارت پیشہ ہونے کی وجہ سے مالی طور سے خوشحال تھے یہ خوشحالی اُن کی علمی سرگرمیوں کے لیے معاون ثابت ہوئی۔ ان کے خاندان کے بارے میں زیادہ تفصیلات نہیں ملتیں۔ صرف اتنا معلوم ہے کہ یہ خاندان بعد میں نیسا پور منتقل ہو گیا اور امام واحدی کی پوری زندگی نیسا پور ہی میں بسر ہوئی۔ فقہی مسلک

Marfat.com

کے لحاظ سے وہ شافعی تھے۔

ان کا پورا نام ابوالحسن علی بن احمد بن محمد بن علی بن متویہ الواحدی النیسا پوری تھا۔ دستیاب قرائن کی روشنی میں ان کی پیدائش ۳۹۸ھ میں ہوئی اور وفات ۴۶۸ھ میں۔ نیسا پور کی علمی و ادبی فضا ان کی تعلیم و تعلم کے لیے بہت سازگار ثابت ہوئی۔ تعلیم کا آغاز حفظ قرآن سے ہوا جس کے دوران انھیں لکھنے، پڑھنے اور ادب و شعر گوئی میں دلچسپی لینے کا موقع بھی ملا۔ اس ابتدائی تعلیم سے فراغت کے بعد وہ نیسا پور کے مشہور مدرسہ حدیث "دارالسنۃ" سے وابستہ ہو گئے اور وقت کے جلیل القدر محدثین سے استفادہ کیا۔ پھر فقہ، کلام، لغت اور ادب وغیرہ کی مزید تحصیل کے لیے انھیں نیسا پور اور اس کے باہر عالم اسلام کے مختلف علمی مراکز کا سفر کرنا پڑا۔ انہوں نے بے شمار اساتذۂ علم و فن سے فیض حاصل کیا۔ حصول علم کے بعد انھوں نے درس و تدریس کا مشغلہ اختیار کر لیا۔ براہ راست اور بالواسطہ طور سے ان کے تلامذہ اور مستفیدین کی تعداد بہت زیادہ ہے۔ ان میں سے بعض کو بڑی شہرت حاصل ہوئی۔

امام واحدی کا زمانہ سیاسی عدم استحکام اور انتشار کا زمانہ تھا۔ خلافت عباسیہ کا زوال اپنی انتہا کو پہنچ چکا تھا۔ عالم اسلام چھوٹی چھوٹی خود مختار حکومتوں میں تقسیم ہو گیا تھا۔ مرکزی خلافت کے دعویدار دوں کے درمیان بھی حصول اقتدار کے لیے شدید کشمکش جاری تھی۔ اس تکلیف دہ صورت حال کے باوجود امام واحدی کی یہ خوش نصیبی تھی کہ انھیں اپنے وقت کی دو مضبوط و مستحکم اور علم دوست و علم پرور حکومتوں کی سرپرستی حاصل رہی۔ خاندان غزنہ اور سلجوقی کی یہ دونوں حکومتیں، عالم اسلام کی دیگر حکومتوں کے مابین جاری کشمکش میں، علم و فن کی سرپرستی میں بھی ایک دوسرے سے بڑھ جانے کی کوشش کر رہی تھیں۔ جس کے براہ راست فائدے علماء و فضلاء اور فلاسفہ و متکلمین کو حاصل ہوئے۔ اس کے طفیل علمی ترقیوں میں بے پناہ اضافہ ہوا۔ کتبخانوں اور لائبریریوں کی شکل میں بے شمار علمی مراکز قائم ہوئے۔ بالخصوص مشہور سلجوقی وزیر نظام الملک حسن بن علی طوسی کی زیر پرستی بغداد کی شہرہ آفاق دانش گاہ مدرسہ نظامیہ کی تاسیس عمل میں آئی جس کے اساتذہ اور فارغین کی علمی و تحقیقی خدمات ہماری علمی میراث کا ایک روشن باب ہیں۔

اس دور کے علماء میں امام غزالی، ابوحیان توحیدی، ابوریحان بیرونی، بدیع الزماں ہمدانی، مکی ابن ابی طالب، عبدالقاہر جرجانی اور راغب اصفہانی کے نام خاص طور سے قابل ذکر ہیں۔

Marfat.com

خالص دینی اعتبار سے بھی امام واحدی کا عہد گوناگوں نظریاتی مسائل اور مشکلات سے دوچار تھا۔ دینی فتنے اور مسلکی فرقہ بندیاں بحث وجدال سے گذر کر خونریز معرکہ آرائیوں کی شکل اختیار کر چکی تھیں شیعیت اور اعتزال کا غلغلہ تھا۔ ایسے پرفتن دور میں اللہ کے فضل وکرم سے ایک طرف غزنوی اور سلجوقی حکمرانوں نے اپنے سیاسی اور انتظامی ذرائع استعمال کر کے ان فتنوں کا قلع قمع کیا تو دوسری طرف علماء ومتکلمین نے علمی اور نظریاتی سطح پر اس چیلنج کا مقابلہ کیا اور اس سے پیدا ہونے والے مفاسد کا سدباب کیا۔ اس صورت حال میں امام واحدی کو اپنے فکر وعقیدہ کے اظہار وتبلیغ میں نہ صرف یہ کہ کوئی دقت نہیں ہوئی۔ بلکہ اس کے لیے سازگار ماحول میسر آیا۔

علمی خدمات :

امام واحدی کثیر الجہات علمی شخصیت کے مالک تھے۔ ان کی پوری زندگی علم کے حصول اور اس کی نشر واشاعت میں صرف ہوئی۔ اُن کا شمار ان یگانۂ روزگار شخصیتوں میں کیا جاتا ہے جو صدیوں کے بعد پیدا ہوا کرتی ہیں۔ وہ اگرچہ ایک مفسر کی حیثیت سے مشہور ہوئے لیکن لغت، نحو، فقہ، حدیث، کلام، ادب، نقد اور شعر وشاعری میں بھی انھیں تبحر حاصل تھا۔ ان علوم میں سے بعض میں ان کی مستقل تصانیف ہیں۔ خود اُن کا چھوڑا ہوا تفسیری ذخیرہ تمام علوم وفنون پر ان کی گہری نظر اور محکم گرفت کا مظہر ہے۔ اہلِ علم ان کی تصانیف کی جامعیت، کمال حسن تعبیر، طرز استدلال اور فصاحت وبلاغت پر متفق ہیں۔ یوں تو ان کی تصنیفات کا بیشتر حصہ زمانے کی دست برد کا شکار ہو گیا لیکن جو کچھ بھی سرمایہ ہم تک منتقل ہوا ہے اس کی بنیاد پر ہم ان کا نام علماء اعلام کی فہرست میں جلی حروف سے لکھ سکتے ہیں۔

امام واحدی کی موجود تصنیفات زیادہ تر تفسیرِ قرآن سے متعلق ہیں۔ عام طور سے اُن کی تین تفسیریں "البسیط فی تفسیر القرآن الکریم"، "الوسیط فی تفسیر القرآن الکریم" اور "الوجیز فی تفسیر القرآن العزیز" مشہور ومتداول ہیں۔ ان تفسیروں میں علی الترتیب طویل، اوسط اور مختصر انداز میں قرآن مجید کی تشریح وتفسیر کی گئی ہے۔ طوالت کے باعث پہلی تفسیر زیادہ مقبولیت حاصل نہ کر سکی جبکہ دوسری اور تیسری کو قبول عام حاصل ہوا اور وہ اپنے مقاصد میں کامیاب قرار دی گئیں۔ تفسیر "البسیط" کی کل سولہ یا سترہ جلدیں بتائی جاتی ہیں جبکہ "الوسیط" کی چار جلدیں۔ کچھ روایتوں میں تین، دو اور ایک جلد کا تذکرہ بھی ملتا ہے۔ ان تفاسیر میں

Marfat.com

"البسیط" تو صرف کتبخانوں کی زینت بنی ہوئی ہے جبکہ "الوسیط" کے بہت سے اہم حصے کتب تفسیر میں نقل کر دیئے گئے ہیں۔ البتہ "الوجیز" واحد تفسیر ہے جو عیسیٰ حلبی کی تفسیر "کتاب تفسیر المنیر لمعالم التنزیل" کے حاشیہ پر مصر سے شائع ہوئی ہے۔ کارل بروکلمان کی روایت کے مطابق "البسیط" کا ایک نسخہ خدا بخش لائبریری پٹنہ میں موجود ہے۔

مذکورہ بالا تین تفاسیر کے علاوہ بھی امام واحدی کی کئی اور تفاسیر ہیں جن کی تعداد آٹھ تک پہنچ جاتی ہے۔ ان میں سے ایک "الحاوی لجمیع المعانی فی التفسیر" ہے۔ اس کے بارے میں ایک خیال یہ ہے کہ یہ مذکورہ تفاسیر کے لیے صرف نام کے طور پر استعمال کی جانے والی اصطلاح ہے، لیکن راجح بات یہی ہے کہ یہ ایک مستقل بالذات تفسیر ہے اس میں ان تینوں تفاسیر کو سمیٹنے کی کوشش کی گئی ہے۔ ان کے علاوہ امام واحدی نے اپنی تفسیر کے مقدمہ میں اپنی تصنیف کردہ تین دوسری تفسیروں کا ذکر کیا ہے جن کے نام "معانی القرآن"، "مسند القرآن" اور "مختصر القرآن" ہیں۔ بروکلمان کے بیان کے مطابق ان کی ایک تفسیر "جامع البیان فی تفسیر القرآن" کے نام سے استنبول کے کتبخانہ میں موجود ہے۔

تفسیر کے علاوہ دیگر علوم میں بھی انھوں نے تصنیفات یادگار چھوڑی ہیں۔ ان میں علم قرآن سے متعلق "اسباب نزول القرآن" کے نام سے بہت مفید اور مشہور رسالہ شامل ہے۔ اسی طرح "نفی التحریف عن القرآن الکریم"، "مقاتل القرآن"، "مختصر فی علم فضائل القرآن" اور "رسالۃ فی شرف علم التفسیر" کے نام سے ان کے رسائل کا ذکر ملتا ہے لیکن یہ رسائل اب ناپید ہیں۔ نحو سے متعلق ان کی دو کتابوں کا پتہ چلتا ہے جن میں سے ایک اعراب پر مشتمل ہے۔ ان کی دیگر تصنیفات میں سب سے مشہور دیوان متنبی کی شرح ہے۔ جسے اس دیوان کی بہترین شروح میں شمار کیا گیا ہے۔ اس کے علاوہ "التجبیر فی اسمار اللہ الحسنیٰ"، "تفسیر اسمار الرسول"، "کتاب المغازی" اور "کتاب الدعوات والمحصول" اُن کی معلوم تصنیفات میں شامل ہیں۔ ان میں سے کئی زیور طبع سے آراستہ ہو چکی ہیں۔ بعض مخطوطات کی صورت میں کتب خانوں میں محفوظ ہیں اور بعض کا صرف کتابوں میں تذکرہ ملتا ہے۔

تفسیری مصادر:

کسی بھی تفسیر کی اہمیت اور اُس کی قدر و قیمت کا صحیح اندازہ اُس کے بنیادی مصادر کے تعین کے

Marfat.com

بغیر ممکن نہیں۔ اِن مصادر کی نوعیت اور ان کی قلت اور کثرت کی بنیاد ہی پر کسی تفسیر کی افادیت کا انحصار ہوتا ہے۔ امام واحدی کی تفسیر کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے تفسیری مصادر بے حد متنوع اور گوناگوں ہیں۔ ان میں قرآن، حدیث، صحابہ، تابعین، ائمہ تفسیر، نحو، بلاغت، ادب، لغت، فقہ اور کلام شامل ہیں۔ اس سے واضح طور پر یہ ظاہر ہوتا ہے کہ ان کے مصادر عقل اور نقل دونوں پر مشتمل ہیں اور صحیح بات یہی ہے کہ ان کی تفسیر تفسیر بالماثور اور تفسیر بالرای کا ایک حسین مرقع ہے، مصادر تفسیر کے بارے میں یہ وضاحت بھی ضروری ہے کہ امام واحدی نے اخذ واستفادہ میں کسی طرح کے تعصب یا تحفظ ذہنی سے کام نہیں لیا، چنانچہ مسلکاً شافعی ہونے کے باوجود انھوں نے فقہ کے چاروں ائمہ سے روایتیں نقل کی ہیں۔ اسی طرح مشہور نحاۃ، ائمہ لغت، فلاسفہ اور متکلمین سے حسب ضرورت استفادہ کیا ہے۔

منہج تفسیر:

ان کی تفاسیر کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ امام واحدی نے اپنی تفسیر میں ایک مضبوط اور مدلل طرز اختیار کیا ہے وہ تفسیر کے لیے صرف روایات کو کافی نہیں سمجھتے اور نہ ہی خالص عقلی ذرائع کو۔ بلکہ ان دونوں کے درمیان تال میل اور مطابقت پر یقین رکھتے ہیں۔ انھوں نے اپنی تفاسیر میں اپنے طرز تفسیر کی وضاحت کرتے ہوئے لکھا ہے کہ روایات کے نقل کرنے کے ساتھ ساتھ نحو، لغت اور ادب کے مباحث سے تعرض کرنا ناگزیر ہے۔ یہ تینوں علوم تفسیر کے بنیادی ستون ہیں۔

تفسیر بالمأثور و بالرأی:

تفسیر بالمأثور اور تفسیر بالرأی کی لفظی بحث سے قطع نظر یہ ایک حقیقت ہے کہ عقلی ذرائع کے
- مناسب استعمال کے بغیر خود تفسیر بالماثور سے پورے طور پر استفادہ ممکن نہیں۔ کتب تفسیر میں مروی روایات کے مابین جو تنوع اور اختلاف پایا جاتا ہے ان کے درمیان مطابقت اور بوقت ضرورت درایت کے اصولوں کو استعمال کرتے ہوئے ترجیحات کا تعین ہونا لازمی ہے۔ امام واحدی نے فی الواقع اپنی تفسیر میں یہی موقف اختیار کیا۔ وہ سب سے پہلے روایتوں کو نقل کرتے ہیں۔ اختلاف روایات کی صورت میں اگر کوئی خاص حرج نہ ہوتا ہو تو وہ تعرض کرنے سے احتراز کرتے ہیں۔ لیکن بوقت ضرورت کلام عرب،

Marfat.com

لغت اور نحو کی مدد سے کسی ایک روایت کو ترجیح دیتے ہیں۔ اگر جمع و تطبیق کی کوئی صورت بن پڑتی ہے تو وہ اسے اولیٰ سمجھتے ہیں۔ اس پورے عمل میں جو فکری اور اجتہادی صلاحتیں درکار ہوتی ہیں ان سے اہلِ علم بخوبی واقف ہیں، اُن کا طرزِ تفسیر خالص علمی ہے۔ وہ تحلیل و تجزیہ، نقد و تبصرہ اور بحث و تمحیص سے بھرپور کام لیتے ہیں۔ علت و معلول اور مطابقت کی تلاش اُن کا محبوب مشغلہ ہے۔ قدرت نے انھیں حسنِ ذوق، حسنِ انتخاب، دقتِ تعبیر اور دلکش اندازِ بیان اور اسلوبِ نگارش سے نوازا تھا، ان تمام صلاحیتوں کا بھرپور انعکاس ان کی تصنیفات میں پایا جاتا ہے جس کی وجہ سے ان کی تحقیقات کو ایک امتیازی مقام حاصل ہے۔ بلاشبہ انھوں نے علمی دنیا کو روایات کی چھان بین اور نقد و تبصرہ کے ایک نئے انداز سے روشناس کیا۔

عربی لغت :۔

امام واحدی کی تفسیر میں لغوی مباحث بکثرت موجود ہیں۔ ان کے نزدیک لغت کی معرفت تفسیر کے لیے ایک بنیادی ستون کا درجہ رکھتی ہے۔ اس کے بغیر تفسیرِ قرآن میں کوئی قابلِ لحاظ اضافہ تو کجا، منقولات کا سمجھنا بھی ممکن نہیں۔ انھوں نے اپنی تفسیر میں عربی زبان کی اہمیت اور عظمت پر تفصیل سے گفتگو کی ہے اور یہ بتایا کہ عربی زبان پر کامل عبور کی وجہ سے صحابہ کرامؓ کو زبان کے مسائل اور مشکلات سے تعرض کی ضرورت پیش نہیں آئی لیکن بعد میں عجم سے اختلاط کی وجہ سے جب اس کے مختلف مسائل اور مشکلات ابھر کر سامنے آئیں تو اس صورت سے عہدہ برا ہونے کے لیے واضح قواعد و ضوابط مرتب کیے گئے۔ اب اگر کوئی شخص کتاب اللہ پر غور کرنے کا خواہش مند ہو تو اُسے عربی زبان پر عبور حاصل کرنا ہوگا۔ اس مقصد کے لیے ان کے نزدیک عربوں کی شاعری اور جاہلی کلام کا مطالعہ زیادہ مفید ہوگا۔ لغت کے اسرار و رموز اور مشکل و غریب الفاظ سے مکمل واقفیت کے بغیر تفسیر میں اجتہادی شان، تجزیاتی اسلوب اور تنقیدی نظر پیدا نہیں ہو سکتی۔

امام واحدی کی تفسیر میں لغت کا رنگ اس قدر غالب ہے کہ امام قفطی اور زرکشی نے اسے لغوی تفسیر قرار دیا ہے حالانکہ اُن کی تفسیر اور بھی کئی پہلوؤں سے قابلِ توجہ ہے۔ لغت کے اعتبار سے ان کی تفسیر کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ اس میں قرآن مجید کی عربیت کا ہر جگہ دفاع کیا گیا ہے اور غریب اور مشکل الفاظ کی بہترین تشریح کی گئی ہے۔ اس میں مفرد الفاظ پر سیر حاصل بحث کی گئی ہے۔ لغوی مباحث

Marfat.com

کا بالعموم طریقہ یہ ہوتا ہے کہ سب سے پہلے الفاظ کے اصلی حروف کا پتہ لگایا جاتا ہے پھر اس کے مختلف مشتقات پر بحث کرتے ہوئے صحیح معنیٰ کی نشاندہی کی جاتی ہے۔ لغت پر عبور کی وجہ سے تفسیری روایات کی تطبیق، ترجیح اور توجیہ میں بھی بہت کچھ مدد ملتی ہے۔ اس کی وجہ سے انھوں نے ائمۂ لغت کی تسامحات کی بھی نشاندہی کی ہے اور فقہی روایات کے وجوہ اختلاف بیان کیے ہیں۔

علمِ نحو:

دیگر مفسرین کی طرح امام واحدی کے یہاں بھی تفسیر قرآن کے لیے نحو کی اہمیت اور ضرورت مسلم ہے صحیح بات یہ ہے کہ کلمات کی ہیئت، صیغے، ترکیبی محل اور تعریف و تنکیر کا لحاظ کیے بغیر عبارت کے اصل مفہوم و مدعا تک رسائی ناممکن ہے۔ عربی زبان و ادب میں نحو کی اسی اساسی اہمیت کے پیش نظر اس پر ابتدا ہی سے خاطر خواہ توجہ دی گئی۔ کوفہ و بصرہ میں اس کے اسکول قائم ہوئے اور ان کی کوششوں سے نحو کے اصول و قواعد منضبط ہو گئے۔ امام واحدی نے اپنے وقت کے کبار علمار نحو سے استفادہ کیا اور اس فن کی جزئیات پر کامل عبور حاصل کیا۔ ان کی تفسیر میں اس کے مظاہر جگہ جگہ موجود ہیں نحو سے متعلق شاید ہی کوئی بحث ان کے احاطہ سے باہر رہ گئی ہو۔ وہ صرف نحو کے مسائل ہی سے تعرض نہیں کرتے بلکہ ائمۂ نحو کے اقوال پر نقد و تبصرہ اور ان کے مابین تطبیق و ترجیح کی کوشش بھی کرتے ہیں۔ اپنی باریک بینی اور ژرف نگاہی کی وجہ سے وہ بآسانی مسائل کی تہ تک پہنچ جاتے ہیں۔ نص قرآنی کی شرح و توضیح اور توجیہ و تاویل میں ان پر اس علم کا اس قدر غلبہ تھا کہ بعض لوگوں نے انھیں نحوی مفسرین کی صف میں کھڑا کر دیا۔ حالانکہ یہ ان کی تفسیر کے دوسرے علمی اور فنی پہلوؤں سے صرف نظر کے مترادف ہے۔

عربی ادب:

عربی ادب سے بھرپور واقفیت تفسیرِ کلام اللہ کے لیے بے حد ضروری ہے۔ کیونکہ کلام کے اہم اجزا مثلاً استعارات، تشبیہات، امثال وغیرہ کے مفہوم و مدعا تک رسائی اس کے بغیر ممکن نہیں۔ ادبی ذوق کے فقدان کے باعث قرآنی نصوص کی وضاحت میں بعض مفسرین نے بڑی ٹھوکریں کھائی ہیں۔ امام واحدی ادب کی اس اہمیت سے واقف تھے۔ ان کی تفسیر میں یہ پہلو بہت واضح ہے۔ انھوں نے پوری زندگی عربی زبان کے

Marfat.com

صاف و شفاف چشموں سے فیض حاصل کیا اور اس کے ذریعہ قرآن مجید کے اسالیب اور معانی تک رسائی حاصل کی۔

تفسیر قرآن کے لیے اُن کے ادبی منہج کی ایک مضبوط اساس تھی۔ وہ سب سے پہلے الفاظ کی لغوی تحقیق کرتے ہیں۔ اس کام میں اُن کا سب سے بڑا ذریعہ عرب شعراء کا کلام ہے جسے دیوان العرب کہا گیا ہے۔ اس کے بعد وہ عبارتوں کی مجموعی صورت حال پر اس طرح روشنی ڈالتے ہیں کہ اس کے ذریعہ عبارتوں کا حسن اور لطافت نکھر کر سامنے آجاتی ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ الفاظ، عبارتوں کے اندر آبدار موتیوں کی طرح چمک رہے ہیں۔ قرآن مجید کے اسلوب بیان کی فنی خوبیوں کو اس تفسیر نے جس طرح اجاگر کیا ہے اس کی بنیاد پر اسے ایک ادبی تفسیر کہا جاسکتا ہے۔ جیسا کہ اہلِ علم واقف ہیں ادبی تفسیر کا مطلب یہ نہیں ہے کہ اس میں تخیلات اور دلی کیفیات کو جمع کر دیا جائے بلکہ دراصل اس سے مراد زبان و ادب کے جواہر پاروں کی ایسی ترتیب و تنظیم ہوتی ہے جس سے معانی پورے شرح و بسط کے ساتھ سامنے آجائیں اور اسالیب کی جدت، تعبیرات کی لطافت اور تراکیب کی ندرت قارئین پر روزِ روشن کی طرح عیاں ہوجائے۔ اس طرح کی ادبی تفاسیر سے روح انسانی پر ایک اہتزازی کیفیت طاری ہوجاتی ہے، دل کی دنیا زیر و زبر ہوجاتی ہے اور وجدان پر ایک ارتعاش و تموج کا عالم طاری ہوجاتا ہے جبکہ علمی تفاسیر صرف عقل و فکر کو مخاطب کر پاتی ہیں۔

امام واحدی کے نزدیک فن کا کامل و مکمل نمونہ قرآن مجید خود ہے۔ وہ کلام عرب سے استشہاد ضرور کرتے ہیں لیکن کسوٹی بہر حال قرآن مجید ہی ہوتا ہے۔ اسی کی بنیاد پر وہ کلام عرب پر نقد و تبصرہ بھی کرتے ہیں اور اسی کے معیار پر وہ اس کے محاسن و معائب کو پرکھتے ہیں۔ دورانِ گفتگو وہ ان ادباء اور شعراء کی نشاندہی بھی کرتے جاتے ہیں جن کے کلام پر قرآن مجید کے اثرات مرتب ہوئے ہیں۔

مختلف مقاصد کے تحت واحدی نے اپنی تفسیر میں عربی شاعری کا بہت بڑا ذخیرہ اکٹھا کر دیا ہے۔ ان میں بعض اشعار ایسے بھی ہیں جو صرف ان کی تفسیر ہی میں پائے جاتے ہیں۔ ان کا تعلق زیادہ تر جاہلی اور اسلامی شعراء سے ہے۔ بعد کے شعراء سے انھوں نے کم ہی استفادہ کیا ہے بالعموم وہ صرف منتخب اشعار ہی سے استشہاد کرتے ہیں اور انھیں ہر طرح کے رطب و یابس کو جمع کرنے سے دلچسپی نہیں ہے۔ ان سے لغوی تحقیق، نحوی مباحث، اعراب کی شکلیں، فنی اوصاف، قرارت اور فقہی اختلافات کے اسباب کی وضاحت میں مدد لی گئی ہے۔ اشعار کی روایت میں اُن سے بعض بے احتیاطیاں بھی ہوئی

Marfat.com

ہیں۔لیکن ان سے اُن کی قدر و منزلت پر بحیثیت مجموعی کوئی خاص اثر نہیں پڑتا۔

علم بلاغت:

امام واحدی نے اپنی تفسیر میں علم بلاغت سے بھی بھرپور مدد لی ہے۔قرآن مجید کی ادبی عظمت، نظم، اعجاز اور ایجاز پر گفتگو کرنے کے لیے اس علم سے صرفِ نظر ممکن نہ تھا۔امام واحدی کے زمانہ تک علم بلاغت کی باقاعدہ تقسیم عمل میں نہیں آئی تھی۔علم البیان، علم المعانی اور علم البدیع کے مباحث باہم خلط ملط تھے۔اس کی وجہ سے ان کی تفسیر میں بھی بعض مقامات پر خلط مبحث ہوا ہے۔ان کی تفسیر میں بلاغت کے جو اہم مباحث آئے ہیں اُن میں فصل و وصل، التفات، تقدیم و تاخیر، قصر، تعبیر بالماضی عن المضارع، تعبیر بالمضارع عن الماضی، حذف، استفہام، تشبیہ، استعارہ، مجاز، کنایہ، تعریض، مشاکلہ، مقابلہ، تقسیم اور لف و نشر وغیرہ شامل ہیں۔ان مباحث کے ذریعہ انھوں نے قرآنی تراکیب کی خصوصیات، لطیف معانی اور نظم کلام کی وضاحت کا کام لیا ہے، الفاظ کے حقیقی اور مجازی مدلول کے تعین میں بھی اس سے مدد لی ہے۔ان کے ذریعہ کبھی کبھی علم بلاغت کی مذکورہ اقسام کے تحلیل و تجزیہ اور توجیہ و تاویل کا کام بھی لیا گیا ہے۔ان سب سے واحدی کے حسنِ ذوق اور قوتِ ادراک کا پتہ چلتا ہے۔

علم قرارت:

امام واحدی کی تفسیر کی ایک اہم خوبی یہ بھی ہے کہ اس میں قرآن مجید کی مختلف قراءتوں کے حوالہ سے معانی کی وضاحت اور توجیہ و تاویل کی کوشش کی گئی ہے، قراءتوں کی توجیہ و تاویل کا کام خاصہ مشکل ہے۔روایت و درایت کے تمام اصولوں اور لغت و نحو کے تمام پہلوؤں سے واقفیت صحیح طور پر اس کام کی انجام دہی کی بنیادی شرط ہے۔خود قرارت کی بحث علوم قرآن کی ایک اہم بحث ہے۔اس کی متعدد قسمیں بیان کی جاتی ہیں جن میں متواتر اور مستند سے لے کر غریب اور موضوع تک شامل ہیں۔مفسرین بالعموم قرآت کے ائمہ سبعہ سے روایتیں نقل کرتے ہیں اور زیادہ تر راجح قراءتوں کو بنیاد بنا کر توضیح و تفسیر کا فریضہ انجام دیتے ہیں۔جبکہ امام واحدی نے ان سات ائمہ کے علاوہ بھی دوسرے

Marfat.com

قرار سے روایتیں نقل کی ہیں یہاں تک کہ بعض شاذ اور نادر قرارتیں بھی بطور استدلال شامل کر لی ہیں کبھی کبھی وہ ایک ہی مقام پر آٹھ دس روایتوں کو بیان کرتے ہیں۔ اس ضمن میں قراء کے نام کی صراحت بھی ہوتی ہے۔ کبھی کبھی مصاحف قرارت کا حوالہ بھی آجاتا ہے۔ اس طرح کی روایتوں میں عموماً سند کا التزام کرتے ہیں۔ قرارتوں سے استدلال اور استفادہ میں اس قدر اہتمام اور استقصار کے باعث طبقہ مفسرین میں وہ ایک ممتاز مقام کے حامل ہیں۔ ان کے استدلال کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ وہ مختلف قرارتوں کے درمیان اختلاف اور تعارض کی شکل میں توافق اور تطبیق کی کوشش کرتے ہیں اور حتی الامکان تغلیط و تردید سے احتراز کرتے ہیں۔ شاذ اور نادر قرارتوں کے تذکرے سے اُن کا مقصد بالعموم بیش از بیش افادہ ہوتا ہے۔ ان کے ذریعہ انھوں نے نحوی ضوابط کے اثبات اور توجیہ کا کام بھی لیا ہے۔ قرارتوں کے مابین ترجیحات کے تعین میں ان کے سب سے بڑے ذرائع کتاب و سنت، لغت، نحو اور دیگر قرارتیں ہوتی ہیں۔

احادیث نبوی:

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم قرآن مجید کے سب سے بہترین شارح تھے۔ اس لیے تفسیر قرآن کے باب میں حدیث کو جو اساسی اہمیت حاصل ہے وہ محتاج بیان نہیں۔ دوسرے مفسرین کی طرح امام واحدی نے بھی تفسیر قرآن میں حدیث سے بھرپور استفادہ کیا ہے اور نتیجۃً ان کی تفسیر میں حدیث نبوی کا ایک وافر ذخیرہ موجود ہے۔

تفاسیر کے علاوہ ان کی دیگر تصنیفات میں بھی حدیث کی قابلِ لحاظ تعداد پائی جاتی ہے۔ ان احادیث سے زیادہ تر اسباب نزول، نص قرآنی کی تشریح، غریب الفاظ کی چھان بین، قرارت، فضائل سور اور فقہی احکام کے استنباط میں مدد لی گئی ہے۔ ان احادیث کی روایت کے سلسلے میں ان کا طریقہ اور منہج "البسیط" اور "الوسیط" میں الگ الگ رہا ہے۔ "البسیط" میں انھوں نے درایت پر زیادہ توجہ دی ہے، اسناد زیادہ تر مرفوع ہیں اور مجموعۂ احادیث کی وضاحت بھی کم ہے جب کہ "الوسیط" میں روایت پر زیادہ توجہ دی ہے۔ اسناد متصل ہیں۔ اور مجموعۂ احادیث کا بھی تذکرہ ہے۔ اُن کی روایت کردہ احادیث کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اُن کی صحت یا ضعف پر گفتگو کم کی

Marfat.com

گئی ہے، گویا انھوں نے جرح و تعدیل سے خود کو بچانا چاہا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ احادیث کی اسناد وغیرہ پر گہری نظر رکھنے کے باوجود اُن کی تفسیر ضعیف روایتوں سے خالی نہیں ہے۔ خاص طور سے سورتوں کے فضائل کے بیان میں ایسے سلسلۂ اسناد سے بھی روایتیں لی گئی ہیں جن سے روایت نہ کرنے پر محدثین کا اتفاق ہے۔ اس معاملے میں اُن کا معاملہ دیگر مفسرین سے مختلف نہیں رہا البتہ شاید ان کا امتیاز یہ ہو کہ انھوں نے سلسلۂ سند کی صراحت بھی کردی ہے۔ جبکہ زمخشری وغیرہ نے اسکی ضرورت بھی محسوس نہ کی۔ اس کمی کے باوجود یہ ایک حقیقت ہے کہ امام واحدی روایت حدیث کی بابت اپنی مختلف خوبیوں کی بنیاد پر تمام مفسرین کے درمیان ایک منفرد مقام دیئے جانے کے مستحق ہیں۔

اسرائیلیات:

تفسیر قرآن سے متعلق ایک اہم بحث یہ رہی ہے کہ قرآن مجید کی تفسیر و توضیح کے سلسلہ میں کس حد تک اسرائیلیات پر اعتماد کیا جائے اور کہاں تک ان کو استعمال کیا جائے۔ اسرائیلیات سے مراد وہ روایتیں ہیں جو اسرائیلی ذرائع سے ہم تک پہنچی ہیں بلعد میں یہ اصطلاح اور زیادہ عام ہوگئی اور تمام من گھڑت روایتوں کے لیے استعمال کی جانے لگی خواہ ان کے راوی یہودی ہوں یا کوئی اور۔ اسلام کی آمد سے قبل ہی یہودیوں کے ذریعہ امم ماضیہ کے سلسلہ میں عربوں کے درمیان بہت سی حکایتیں مشہور ہو چکی تھیں۔ چونکہ اِن کا تعلق انبیاء و صلحاء سے تھا اس لیے نزول قرآن کے بعد اس میں وارد بہت سے قصص کی وضاحت اور تفصیل کے لیے ان سے رجوع کیا گیا۔ صحابہ کرامؓ کے دور میں یہ سلسلہ تقریباً نہ ہونے کے برابر تھا لیکن بعد میں اس باب میں اتنی احتیاط نہ ہو سکی اور نتیجۃً اس نوع کی بہت سی روایتوں نے تفسیری ذخیرہ کے اندر راہ پالی۔ اس طرح کی تمام روایتوں کا معاملہ ظاہر ہے یکساں نہیں ہے۔ ان میں سے بعض قرآن مجید کے بیانات اور تصریحات سے متصادم نہیں تھیں اس لیے ان کی روایت میں کوئی قباحت نہیں تھی لیکن اسرائیلیات کا ایک بڑا حصہ رطب و یابس پر مشتمل ہے چنانچہ اُن کے باب میں غیر معمولی دقت نظر اور احتیاط کی ضرورت ہے لیکن اس سلسلہ میں اکثر خاطر خواہ احتیاط نہ ہو سکی اور بہت سے سرکردہ مفسرین نے بھی وضاحت مزید اور تفصیل کی خاطر ایسی بہت سی روایتوں کو اپنی تفسیروں میں جمع کردیا اور واقعہ یہ ہے کہ بہت کم

Marfat.com

مفسرین ان سے محفوظ رہ سکے، حتی کہ ابن عطیہ بھی جن کی تفسیر کو ابن خلدون نے اسرائیلیات سے خالی قرار دیا ہے، اس سے اپنے دامن کو یکسر نہیں بچا سکے۔

مقامِ حیرت ہے کہ امام واحدی جیسے بالغ نظر اور فاضل روزگار مفسر نے بھی اس سلسلہ میں کچھ زیادہ احتیاط کی ضرورت نہیں سمجھی چنانچہ ان کی تفاسیر میں اسرائیلیات کا ایک بڑا ذخیرہ موجود ہے اس سلسلے میں وہ قرطبی اور طبری کے قریب نظر آتے ہیں۔ یہاں تک کہ ان کی تفسیر میں وہ روایتیں بھی ملتی ہیں جن سے انبیاء کرامؑ اور صلحاء عظام کی سیرتوں کو داغدار کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

ظاہر ہے اس کے ذمہ دار امام واحدی نہیں ہیں! انہوں نے تو مفسرین سے اسناد کے ساتھ روایتیں نقل کی ہیں، لیکن اگر وہ اپنی خداداد فکری و عقلی صلاحیتوں کو استعمال کرتے اور روایت کے بجائے درایت کے اصولوں کو سامنے رکھتے تو یہ بے بنیاد باتیں ان کی تفسیروں میں جگہ نہ پاتیں اور اسرائیلیات کے باب میں ان کا طرز عمل بھی امام رازی، آلوسی اور ابن کثیر کی طرح لائق ستائش ہوتا۔

آیات احکام :

امام واحدی فقہ میں ید طولیٰ رکھتے تھے، فقہ کے مختلف مسالک اور مکاتب پر ان کی گہری نظر تھی، وہ نقد و تبصرہ اور استنباط و اجتہاد کی صلاحیتوں کے مالک تھے۔ مختلف اقوال کے درمیان توجیہ اور ترجیح دینے کی صلاحیت بھی اُن میں بدرجۂ اتم موجود تھی۔ اس طرح ان کی شخصیت میں وہ تمام لوازم موجود تھے جن کی ضرورت آیات احکام کی تفسیر میں پڑ سکتی تھی۔

آیاتِ احکام پر بحث کرنے کا اُن کا انداز یہ ہے کہ وہ سب سے پہلے الفاظ کی لغوی تحقیق کرتے ہیں پھر اُن آیات کا شانِ نزول بتاتے ہوئے ان میں وارد احکام کی کتاب و سنت کی روشنی میں تشریح کرتے ہیں اور آخر میں اس سلسلہ میں شافعی مسلک کا کسی قدر تفصیل سے ذکر کرتے ہیں لیکن ساتھ ہی ساتھ دوسرے مسالک کا حوالہ بھی دیتے ہیں۔ اس اعتبار سے ان کی تفسیر کو فقہ کے تقابلی مطالعہ کے لیے ایک اچھی کوشش قرار دیا جا سکتا ہے۔ وہ صرف مسالک کے تذکرہ پر ہی اکتفا نہیں کرتے بلکہ زیر بحث مسئلہ کے سلسلہ میں ان کے دلائل کا بھی ذکر کرتے ہیں اور اس سے بھی آگے ان کو بحث و تجزیہ کی کسوٹی پر پرکھتے بھی ہیں اور جہاں کہیں ممکن ہوتا ہے جمع و تطبیق اور موازنہ و مقابلہ کا کام

Marfat.com

بھی انجام دیتے ہیں۔ اپنے مسلک کی تائید اور حمایت میں مبالغہ آمیز اور جارحانہ انداز کے بجائے نرم اور مدلل طریقہ اختیار کرتے ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ انھوں نے مضبوط دلائل کی بنیاد ہی پر اپنے مسلک کی حمایت کی ہے۔ مختلف فقہاء کے خیالات میں سے کسی ایک کو ترجیح دینے میں وہ زیادہ تر قبلیت اور بعدیت پر انحصار کرتے ہیں۔ خود امام شافعیؒ کے سلسلے میں کئی مقامات پر اُن کا طریقہ یہی رہا۔ فقہی اقوال کے نقل کرنے میں ان کی حد درجہ احتیاط کے باوجود بعض جگہوں پر اُن سے چوک بھی ہوئی ہے خاص طور سے اُن اقوال پر نقد و تبصرہ میں بسا اوقات حزم و احتیاط کا دامن چھوٹتا نظر آتا ہے۔ لیکن ان کے معروف معروضی اور مثبت انداز کی روشنی میں اسے محض ان کے قلمی تسامح پر محمول کرنا چاہیئے۔ اس سے اُن کی عظمت اور فقہی بصیرت پر کوئی حرف نہیں آتا ہے۔

علمِ کلام :

تفسیرِ قرآن میں علمِ کلام کی ضرورت اور اہمیت سے انکار ممکن نہیں۔ خاص طور سے تاریخِ اسلام کی ابتدائی پانچ صدیوں میں جب کہ منطق و فلسفہ کا رواج عام تھا اور مختلف فرقے ان کی مدد سے اپنے عقائد کا اثبات اور دوسرے فرقوں کے افکار و عقائد کا ابطال کرنا چاہتے تھے، علماء اہل سنت والجماعت نے علم کلام کے ذریعہ دینِ حنیف کے دفاع کا عظیم کارنامہ انجام دیا۔ امام واحدی نے اپنی تفسیر میں اسلاف کی اس روایت کو نہ صرف باقی رکھا بلکہ اسے چار چاند لگا دیا۔ سلف سے منقول تفسیری روایات اور علم لغت وغیرہ پر کامل دسترس کی وجہ سے انھوں نے ان آیتوں کی صحیح تاویل پیش کی جو باطل فرقوں کی خصوصی توجہ کا مرکز بنی ہوئی تھیں۔ ان کے زمانے میں جن فرقوں نے قرآنی آیات کو اپنے گمراہ کن خیالات کے لیے استعمال کیا تھا اُن میں معتزلہ خاص طور سے قابلِ ذکر ہیں۔ اس فرقے کے بعض مفسرین کی تفسیریں کافی مشہور ہوئی ہیں۔ وقت کی یہ ایک بڑی ضرورت تھی کہ صحیح الفکر علماء کی طرف سے ان غلط تاویلات کا شافی اور مسکت جواب آئے۔ امام واحدی نے یہ کام بحسن و خوبی انجام دیا۔ اس ضمن میں انھوں نے جن مباحث پر توجہ دی ہے اُن میں خاص طور سے رُویت باری تعالیٰ، عصمتِ انبیاء، وحی، ایمان، توحید، عدل، وعد و وعید، امر بالمعروف و نہی عن المنکر قابلِ ذکر ہیں۔ انھوں نے اپنے عام طریقہ کے مطابق ان مباحث میں قرآن و سنت اور نحو و لغت وغیرہ سے استدلال کیا ہے۔ اُن کا اندازِ

۱۵۹۳۴۳

Marfat.com

گفتگو مثبت اور تقریری بھی ہوتا ہے اور کبھی کبھی اس میں مجادلہ اور مباحثہ کا رنگ بھی آجاتا ہے۔ اس نوعیت کے بعض مباحث غیر معمولی اہمیت کے حامل ہیں اور وہاں وہ دوسرے سے بہت آگے نظر آتے ہیں۔

دیگر علوم قرآن :

مذکورہ بالا سطور میں تفسیر اور اس کے بہت سے پہلوؤں کے بارے میں امام واحدی کے موقف کی کسی حد تک صراحت آچکی ہے۔ لیکن علوم قرآن کے بعض دوسرے پہلوؤں کے بارے میں وضاحت سے کوئی بات نہیں کہی جا سکی اگرچہ امام واحدی کی تحریروں میں ان موضوعات پر بھی بہت کچھ مواد ملتا ہے۔ ان میں اسباب نزول، ناسخ و منسوخ، اعجاز قرآن، اول ما نزل من القرآن اور تصوف خاص طور سے قابل ذکر ہیں۔ ان علوم کے بارے میں عام طور سے ان کے خیالات سلف سے ماخوذ و مستفاد ہیں۔ اسباب نزول پر اُن کا ایک وقیع رسالہ بھی ہے جو اپنے موضوع پر اپنی مثال آپ ہے۔ البتہ تصوف کے بارے میں وہ بعض اسلاف سے الگ موقف رکھتے ہیں۔ انھوں نے تفسیر صوفی پر سخت تنقید کی ہے اور اس قبیل کی بعض تفاسیر (مثلاً عبدالرحمان سلمی کی تفسیر "حقائق القرآن") کو قرآنی تفسیروں کی فہرست سے خارج قرار دیا ہے جس سے ڈاکٹر جودہ محمد ابو یزید سخت نالاں ہیں۔

تفسیری مقام و مرتبہ:

بحیثیت مفسر امام واحدی کا مقام بے حد بلند ہے۔ وہ اپنے معاصرین میں سب سے فائق نظر آتے ہیں بعد کے لوگوں نے بھی اُن کی عظمت کا اعتراف کیا ہے۔ امام غزالی سے ایک بار قرآن مجید کی تفسیر لکھنے کی درخواست کی گئی تو انھوں نے کہا کہ واحدی کی تفاسیر کے بعد اب اس کی ضرورت باقی نہیں رہی۔ ان کے بارے میں یہ بھی کہا جاتا ہے کہ انھوں نے اپنی فقہ کی تین کتابوں کے نام ان کی تفاسیر کے ناموں سے اخذ کیے ہیں۔ ان کے ایک معاصر حافظ عبدالغافر فارسی نے انھیں "استاذ عصر" اور "واحد دہر" کا لقب دیا۔ حافظ ذہبی نے انھیں "امام اہل التاویل" قرار دیا ہے بعض تذکرہ نگاروں نے انھیں "ممثل عصرہ فی التفسیر" اور "امام عصرہ فی التفسیر" کے القاب سے بھی نوازا ہے۔ اپنی جلیل القدر خدمات کی بنیاد پر وہ بعد کے تمام مفسرین کے لیے مرجع بن گئے۔ امام فخر الدین رازی اور امام آلوسی اُن سے خاص طور سے متاثر ہوئے۔

Marfat.com

اول الذکر کی تفسیر میں امام واحدی کے اقوال کثرت سے منقول ہیں۔ دوسرے مفسرین میں قرطبی، ابوحیان، خطیب شربنی اور جلالین وغیرہ پر اُن کے اثرات بے حد نمایاں ہیں۔ اُن کے بارے میں اُن ہی کے ایک معاصر اہلِ علم نے بہت خوب کہا:۔

قد جمع العالم فی واحد
عالمنا المعروف بالواحدی

Marfat.com

شیخ محمد عبدہ کی تفسیری خدمات

شیخ محمد عبدہ ۱۲۶۵ھ۔۱۸۴۹ء میں مصر میں ضلع "البحیرۃ" کے ایک گاؤں "محلّہ نصر" میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد عبدہ بن حسن خیر اللہ گاؤں کے انتہائی باوقار اور بااثر لوگوں میں سے تھے۔ ہمدردی و غمگساری، جود و سخا اور خدمت خلق میں ان کا ایک منفرد مقام تھا۔ وہ حق کی حمایت، عہد کی پاسداری اور مخالفتوں کے بالمقابل صبر و ثبات کی صفات سے بھی متصف تھے۔ ان کی والدہ "سیدہ جنینہ" بھی ایک نیک اور ذی حیثیت خاتون تھیں۔ فقیروں اور محتاجوں کی حمایت اور پریشان حال لوگوں کی مشکلات کا ازالہ ان کا امتیازی وصف تھا۔ شیخ محمد عبدہ نے اپنے والدین کی مذکورہ خوبیاں وراثت میں پائی تھیں (۱)

ان کی ابتدائی تعلیم کا اہتمام گاؤں کے مکتب کے بجائے گھر پر ہوا۔ والد صاحب نے ان کے لئے ایک استاد کی خدمات حاصل کرلی تھیں۔ جب وہ کچھ بڑے ہوئے تو انہیں گاؤں کے مکتب میں بھیج دیا گیا جہاں ایک حافظ سے انہوں نے قرآن پڑھا پھر دو سال میں اسے حفظ کیا (۲)۔ ۱۲۷۹ھ۔۱۸۶۲ء میں قرآن پاک کی تجوید اور دیگر علوم کی تحصیل کے لئے وہ شہر طنطا کی مسجد "جامع احمدی" میں قائم مدرسہ میں داخل ہوئے۔ قرآن مجید کی تجوید اور اس کے اصول و آداب سے انہوں نے جلد ہی واقفیت حاصل کرلی۔ بعض دوسرے علوم خاص طور سے نحو و صرف اور فقہ کی تعلیم ان کے لئے مشکل ثابت ہوئی کیونکہ اساتذہ قدیم طرز تدریس کے عادی تھے اور فقہی و نحوی مسائل کو اپنے مخصوص طریقۂ تعلیم کی وجہ سے اور زیادہ پیچیدہ بنادیتے تھے۔ نتیجۃً ڈیڑھ سال کے ناکام تجربہ کے بعد وہ جامع احمدی سے دل برداشتہ ہو کر گھر واپس چلے گئے اور کھیتی باڑی کے کاموں میں حصہ لینے لگے۔ تعلیم سے بے رغبتی اور عدم دلچسپی کو دیکھ کر ان کے والدین نے ۱۲۸۲ھ۔۱۸۶۵ء میں ان کی شادی کردی۔ (۳)

Marfat.com

شادی کے بعد ان کے والد نے ایک بار پھر ان پر تعلیم کے لئے دباؤ ڈالا اور انہیں زبردستی "طنطا" بھیج دیا۔ وہ گھر سے اسکول کیلئے روانہ ہوئے لیکن تعلیم کے لئے آمادگی نہ ہونے کی وجہ سے راستے میں واقع ایک گاؤں "کنیسہ اورین" میں رک گئے۔ یہاں ان کے والد کا ننہال تھا اس لئے گاؤں کے اکثر لوگ رشتہ دار ہوتے تھے۔ اتفاق سے اس گاؤں میں ان کی ملاقات شیخ درویش خضر سے ہو گئی جو ان کے والد کے ماموں ہوتے تھے۔ وہ حافظ قرآن اور محدث تھے اور تصوف کے سلسلہ شاذلیہ سے منسلک تھے۔ انہوں نے لیبیا اور طرابلس کا سفر کیا تھا اور مشہور صوفی بزرگ سید محمد مدنی سے کسب فیض کیا تھا۔ ان کی صحبت نے شیخ محمد عبدہ کی زندگی پر بڑا خوشگوار اثر ڈالا (۴)، اس کے نتیجہ میں ان کے اندر دین سے شغف، تعلیم سے محبت اور بدعات و خرافات سے اجتناب کا داعیہ پیدا ہوا۔ وہ خود لکھتے ہیں:

تفرقت عنی جمیع الھموم ولم یبق الا ھم واحد وھو ان اکون کامل المعرفة ، کامل ادب النفس ولم اجد اماما یرشدنی الی ما وجھت الیه نفسی الا ذلك الشیخ الذی اخرجنی فی بضعة ایام من سجن الجھل الی فضاء المعرفة و من قیود التقلید الی اطلاق التوحید. ھٰذا الشیخ ھو مفتاح سعادتی ان کانت لی سعادة فی ھذه الحیاة الدنیا.(۵)

میری تمام الجھنیں جاتی رہیں بس ایک فکر باقی رہ گئی کہ میں علم و معرفت اور تہذیب و سلیقہ میں کامل ہو جاؤں لیکن مجھے کوئی امام (رہنما) نہیں ملا جو میرے عزائم میں میری رہنمائی کرتا سوائے اس شیخ کے جس نے مجھے چند دنوں میں جہالت اور تقلید کے قید و بند سے آزاد کر کے معرفت اور توحید خالص کی کشادہ فضا میں داخل کر دیا تھا اگر مجھے دنیا میں سعادت کا کوئی حصہ نصیب ہوا ہے تو اس کی کلید یہی شیخ ہیں۔

"کنیسہ اورین" میں پندرہ دن کے قیام کے بعد وہ تکمیل تعلیم کیلئے طنطا روانہ ہو گئے، اس وقت تعلیمی سال اختتام کے قریب تھا لیکن پیہم جد و جہد اور مکمل انہماک کی وجہ سے انہوں نے بہت جلد نصاب تعلیم کی خواندگی کر لی اور ممتاز طالب علموں میں شمار کئے جانے

Marfat.com

لگے، امتحان سے فارغ ہونے کے بعد انہوں نے عالمیت کی سند کے حصول کے لئے ۱۲۸۲ھ۔ ۱۸۶۶ء میں جامعہ ازہر میں داخلہ لیا(۶)، اس وقت جامعہ ازھر کا نظام تعلیم نہایت فرسودہ تھا۔ اساتذہ کی ذمہ داریاں متعین نہیں تھیں۔ طلبہ پر تعلیم کیلئے کوئی دباؤ نہیں تھا۔ ان کی رہائش اور طعام کا انتظام بھی حد درجہ ناقص تھا۔ نظام کے نام سے اگر وہاں کوئی چیز تھی تو صرف یہ کہ طلبہ کا نام وہاں داخلہ کے وقت رجسٹر میں درج کر لیا جاتا تھا۔ اس کے بعد وہ کچھ متعینہ مدت گذار کر عالمیت کے امتحان کیلئے مستحق قرار پاتا تھا۔ شیخ محمد عبدہ نے بھی وہاں کل بارہ سال قیام کیا (۷)، ان کی خوش قسمتی تھی کہ وہ چھٹیوں میں اپنے وطن آجاتے تھے اور اپنے پیرومرشد شیخ درویش خضر کو پورے سال کی تعلیمی پیش رفت سے آگاہ کرتے تھے۔ شیخ ان کو مناسب مشورے دیتے تھے اگر کسی علم یا فن کے بارے میں ان کی معلومات ناقص ہوتیں تو وہ ان کی تلافی کی شکلوں کی نشاندہی کرتے تھے، جامعہ ازہر کے قدامت پرست علماء کی اکثریت علوم عقلیہ کی تدریس کو دینی مصالح کے منافی سمجھتی تھی۔ شیخ درویش نے انہیں بتایا کہ علم کے حصول میں کسی تعصب سے کام نہیں لینا چاہیے اور ہر طرح کا علم پورے ذوق وشوق سے حاصل کرنا چاہیے (۸)۔

جامعہ ازہر میں قیام کے دوران شیخ محمد عبدہ کو اپنے استاذ شیخ حسن طویل سے خصوصی فائدہ پہنچا۔ وہ ازہری علماء میں اپنی کشادہ ذہنی، حریت فکر اور علوم عقلیہ میں مہارت کی وجہ سے منفرد مقام رکھتے تھے۔ عبدہ نے ان سے ریاضی، فلسفہ اور سیاسیات کا درس لیا اور وہ انہیں کی وساطت سے جامعہ ازھر میں قائم حلقہ تصوف سے منسلک ہوئے۔ یہ حلقہ مشہور ازھری صوفی حسن رضوان کے تلامذہ اور مریدین پر مشتمل تھا۔ (۹)

محمد عبدہ انتہائی بیدار اور تیز ذہن ودماغ کے مالک تھے۔ دوران تعلیم ان کے ذہن میں جدید وقدیم علوم سے متعلق ہزاروں سوالات ابھرتے۔ وہ ان علوم کے درمیان توافق کے حامی تھے، اسی طرح سماجیات، اقتصادیات اور سیاسیات سے متعلق جدید مسائل سے واقفیت اور ان کی مدد سے مصر اور پورے عالم اسلام کی اصلاح بھی ان کی دلی آرزو تھی۔ انہیں اس بات کا شدید قلق تھا کہ ازہری علماء ان کی علمی تشنگی اور فکری احتیاج کی تکمیل سے قاصر تھے۔ شیخ درویش خضر اور شیخ حسن طویل نے ان کو فکر وعمل کی ایک راہ ضرور دکھائی تھی لیکن یہ دونوں حضرات بھی ان کی اعلیٰ ذہنی وفکری استعداد کے مطابق ان کی رہنمائی نہیں کر سکے۔

Marfat.com

اس صورتحال میں شیخ جمال الدین افغانی سے ان کا تعارف اور تلمذ ان کے لے ایک نعمت غیر مترقبہ ثابت ہوئی، افغانی ۱۲۸۸ھ۔۱۸۷۱ء میں مصر آئے۔(۱۰) وہ مصر میں ایسے علماء کی ایک جماعت تیار کرنا چاہتے تھے جو ان کے افکار و خیالات کی ترجمان بن سکے۔ محمد عبدہ نے ان سے بھرپور استفادہ کیا۔ ان سے عربی اور اسلامی علوم سے متعلق بہت سی اہم کتابوں کے علاوہ فلسفہ، تاریخ، سیاست اور معاشرت پر منتخب اور مشہور یورپی علماء کی تصانیف بھی پڑھیں، ان کتابوں سے وہ علم و فکر کے نئے انداز اور زاویوں سے واقف ہوئے اور انہیں علمی طور سے ایک ایسی توانائی اور اعتماد و استحکام حاصل ہوا جو اب تک کے اساتذہ اور کتابوں سے حاصل نہیں ہو سکا تھا۔ اس تعلق و تلمذ سے انہیں سب سے بڑا فائدہ یہ پہنچا کہ حریت فکر اور اصلاح معاشرہ کا جو تصور ان کے استاذ اول شیخ درویش خضر نے پیش کیا تھا، افغانی نے اسے جلا بخشا اور اس کے علمی اظہار کے وسائل سے روشناس کیا۔ اس کے نتیجہ میں انہیں یہ یقین و شعور حاصل ہوا کہ ان کے اصلاحی تصورات محض فلسفیانہ نظریات نہیں تھے بلکہ قابل عمل پروگرام کی حیثیت رکھتے تھے۔(۱۱)

۱۲۹۴ھ۔۱۸۷۷ء میں، ۲۸ سال کی عمر میں شیخ محمد عبدہ کو جامعہ ازہر کی طرف سے عالمیت کی سند عطا کی گئی حالانکہ جمال الدین افغانی سے تعلق اور بعض دوسرے اسباب کی بنا پر ازہری علماء ان سے بہت زیادہ ناراض تھے۔ سند عالمیت کے حصول کے بعد اب وہ جامعہ ازہر میں درس و تدریس کے لئے اہل اور مستحق ہو چکے تھے۔ ان کے اصلاحی پروگرام کے نفاذ کے لئے بھی یہ ایک مناسب شکل تھی۔ چنانچہ انہوں نے جامعہ ازہر میں منطق و فلسفہ کا درس دینا شروع کیا۔ اس میں طلبہ بڑی تعداد میں شریک ہوتے تھے۔ اسی دوران قاہرہ کے مشہور ڈگری کالج دار العلوم میں تاریخ کے استاد کی حیثیت سے ان کا تقرر ہو گیا، انہوں نے اس مضمون کی تدریس کے لئے روایتی انداز کی کسی تاریخی کتاب کے بجائے "مقدمۃ ابن خلدون" کا انتخاب کیا۔ وہ اپنی فکر کو عام کرنے کی غرض سے اپنے گھر پر منتخب طلبہ کو الگ سے پڑھایا کرتے تھے۔ اسی مقصد کے تحت انہوں نے "مدرسة الادارة و الألسن الخديوية" میں بھی ایک مضمون کی تدریس کا ذمہ لے لیا۔(۱۲)

۱۸۷۹ء میں جمال الدین افغانی کو انگریزوں کی ایماء پر مصر سے چلے جانے کا حکم دیا گیا۔

Marfat.com

انگریز جمال الدین افغانی کے سخت مخالف تھے کیونکہ اتحاد امت، آزادی رائے اور جمہوریت پر مبنی ان کے خیالات کی زد براہ راست انگریزوں کے مفادات پر پڑتی تھی۔ افغانی سے تعلق خاطر کی بنیاد پر محمد عبدہ بھی حکومت کے عتاب کے شکار ہوئے۔ انہیں ملازمت سے برخاست کر دیا گیا اور انہیں اپنے گاؤں جانے اور وہیں قیام کرنے کا حکم دیا گیا۔۔ جس وقت افغانی مصر چھوڑ کر جا رہے تھے انہوں نے اپنے سوگوار اور ملول شاگردوں کو مخاطب کر کے فرمایا تھا۔

ترکت لکم الشیخ محمدعبدہ و کفی به لمصر عالما. (۱۳)

۱۸۸۰ء میں مصری وزیر اعظم ریاض پاشا کی کوششوں سے ان کی نقل و حرکت پر عائد پابندی ختم کر دی گئی اور وہ قاہرہ واپس چلے آئے جہاں بہت جلد انہیں سرکاری گزٹ "الوقائع المصریة" میں ملازمت مل گئی۔ بعد میں ترقی دے کر انہیں اس گزٹ کا ایڈیٹر بنا دیا گیا، (۱۴) انہوں نے اس موقع کو اپنے خیالات کی اشاعت کے لئے بہت مناسب تصور کیا چنانچہ انتہائی موثر اور حکیمانہ انداز میں اپنی دعوت اہل مصر کے سامنے پیش کی۔ ان کی اصل توجہ آزادی رائے، عدل و انصاف اور شورائیت کے تصورات کو عام کرنے پر مرکوز تھی۔ وہ قوم کی ترقی کیلئے تعلیم کو ایک اہم ذریعہ سمجھتے تھے۔ ان کا یہ خیال تھا کہ سب سے پہلے دین اور اس کی حقیقی تعلیمات سے عوام کو متعارف کرانا چاہیے اور ان کے مطابق انہیں زندگی بسر کرنے پر آمادہ کرنا چاہیے۔ اسکے بعد ہی وہ اصلاح کے ہمہ گیر مفہوم سے آشنا ہوں گے۔ اور اصلاحات کے نفاذ میں اپنا تعاون پیش کر سکیں گے۔ (۱۵)

۱۸۸۲ء میں جب کہ وہ "الوقائع المصریة" کے ایڈیٹر تھے، عرابی انقلاب کے شعلے پورے مصر میں بھڑک اٹھے، شیخ محمد عبدہ اس بغاوت کے خلاف تھے۔ کیونکہ تبدیلی اور اصلاح کا عمل ان کے نزدیک تبلیغ و تلقین اور افہام و تفہیم کے ذریعہ ہی کامیاب ہو سکتا تھا۔ لیکن آزادی اور شورائیت سے متعلق ان کے خیالات ہر خاص و عام پر واضح تھے۔ اس لئے اس بغاوت کی ناکامی کے بعد اس میں ملوث دیگر حضرات کے ساتھ انہیں بھی تین سال کے لیئے جلاوطن کر دیا گیا، چنانچہ وہ سب سے پہلے شام پہنچے جہاں ایک سال تک قیام کیا اس کے بعد ۱۸۸۴ء میں ان کے استاد جمال الدین افغانی نے انہیں پیرس بلا لیا۔ وہاں کل دس ماہ تک قیام کیا۔ اس دوران انہوں نے یورپ کے بعض ممالک کا سفر کیا اور کئی دوسرے مفید کام

Marfat.com

انجام دئے لیکن ان کا سب سے اہم کارنامہ مجلّہ " العروۃ الوثقیٰ "کا اجراء تھا(۱۶)۔اس کا خاکہ جمال الدین افغانی نے تیار کیا تھا اور وہی اس کے چیف ایڈیٹر تھے۔ لیکن محمد عبدہ کی شرکت اور معاونت کے بغیر اس کی اشاعت ممکن نہیں تھی۔افغانی اور عبدہ نے اپنے مقالات کے ذریعہ عالم اسلام کو متحد کرنے ،اہل مشرق کو استعماری طاقتوں کے عزائم سے آگاہ کرنے اور انہیں غلامی کی لعنت سے آزادی حاصل کرنے کے لئے شوق ورغبت دلائی(۱۷)۔ان مقالات کی وجہ سے " العروۃ الوثقیٰ "کی مقبولیت بہت تیزی سے بڑھتی جارہی تھی۔چنانچہ انگریزوں نے منصوبہ بند طریقے سے اس کی اشاعت میں طرح طرح کی مشکلات پیدا کیں،چاروناچار اسے آٹھ ماہ کے اندر اٹھارہ شماروں کی اشاعت کے بعد ۱۸۸۴ء میں بند کرنا پڑا۔(۱۸)

" العروۃ الوثقیٰ "کی اشاعت رک جانے کے بعد جمال الدین افغانی ایران چلے گئے اور محمد عبدہ نے بیروت کا قصد کیا یہاں انہوں نے سیاست اور حکومت کے مسائل کے بجائے تصنیف و تالیف اور درس و تدریس کو ترجیح دی۔چنانچہ نہج البلاغۃ اور مقامات بدیع الزماں ہمدانی کی شرح لکھی،جمال الدین افغانی کے رسالہ " الرد علی الدھرین "کا فارسی سے عربی میں ترجمہ کیا،منطق سے متعلق ایک کتاب "شرح البصائر النصیریۃ "اور " رسالۃ التوحید " بھی اسی دور جلاوطنی کی یادگار ہیں۔تصنیف و تالیف کے ساتھ ساتھ وہ درس و تبلیغ کا کام بھی کرتے رہے چنانچہ بیروت کی ایک مسجد میں ہر ہفتہ درس قرآن دیتے تھے۔۱۸۸۵ء میں انہیں مدرسہ سلطانیہ میں عربی زبان اور دینیات کی تعلیم کے لئے مدعو کیا گیا۔انہوں نے اس دعوت کو بخوشی قبول کرلیا۔اس مدرسہ میں انہوں نے روایتی درس و تدریس سے آگے بڑھ کر نصاب تعلیم میں بعض بنیادی تبدیلیوں کی نشاندہی کی(۱۹)۔

شیخ محمد عبدہ کو کل تین سال کے لئے جلاوطن کیا گیا تھا۔ لیکن انہوں نے عملاً چھ سال تک جلاوطنی کی زندگی گزاری۔اس کی وجہ مصر کے حکمراں توفیق پاشا کی ان سے ناراضگی اور مخالفت تھی لیکن وزیر اعظم ریاض پاشا کی کوشش ایک بار پھر کام آئی اور انہیں وطن واپسی کی اجازت مل گئی۔وہ ۱۸۸۸ء میں مصر واپس آئے۔(۲۰) لیکن اس دفعہ انہیں تدریس کی ذمہ داری نہیں دی گئی بلکہ ضلعی عدالت کا قاضی بنادیا گیا کیونکہ حکومت کو امید تھی کہ وہ قضا کے معاملات میں الجھ کر اپنا اصلاحی پروگرام جاری نہیں رکھ سکیں گے ،کچھ عرصہ بعد انہیں محکمۃ

Marfat.com

الاستیناف (Court of appeal) کا رکن نامزد کیا گیا۔(۲۱) قضاۃ ہونے کے بعد انہیں فرانسیسی زبان سیکھنے کی ضرورت محسوس ہوئی کیونکہ مصری قاضی اپنے فیصلوں میں فرانسیسی قوانین کا بکثرت حوالہ دیتے تھے۔اس وقت ان کی عمر چالیس سال کی تھی لیکن انہوں نے بہت کم عرصہ میں فرانسیسی زبان بقدر ضرورت سیکھ لی۔بعد میں ان کے مقالات اور تصانیف میں فرانسیسی زبان سے استفادہ کی مقدار بہت زیادہ بڑھ گئی، انہوں نے فرانسیسی مفکر سپینسر کی کتاب کا "التربیۃ" کے نام سے عربی میں ترجمہ بھی کیا(۲۲)

۱۸۹۲ء میں خدیو توفیق کا انتقال ہو گیا اور اس کی جگہ خدیو عباس مصر کا بادشاہ ہوا۔وہ ایک بہادر اور باعزم نوجوان تھا اور مصر کی ترقی کے لئے متفکر تھا۔شیخ محمد عبدہ اور ان کے رفقاء کو اس سے کافی امیدیں بندھ گئیں تھیں۔وہ اس سے قریب ہوئے اور اسکے سامنے ازہر، اوقاف اور شرعی عدالتوں کی اصلاح سے متعلق تجاویز رکھیں، خدیو نے ازہر سے متعلق ان کی اصلاحی تجاویز سے اتفاق کیا اور پہلی دفعہ جامعہ ازہر کی مجلس انتظامی تشکیل دی اور محمد عبدہ کو اس مجلس کا ایک ممبر بنایا۔انہوں نے ازہر کی اصلاح کی بے انتہا کوشش کی لیکن وہاں کے روایت پسند علماء کی مخالفت کے باعث ان کو نمایاں کامیابی نہیں مل سکی۔(۲۳)

۱۸۹۹ء کے اوائل میں حکومت مصر نے انہیں مصر کا مفتی اعظم مقرر کیا۔اس سے دونوں کے وقار میں اضافہ ہوا۔ (۲۴) یہاں وہ فتوی نویسی پر اکتفا نہیں کر سکتے تھے بلکہ انہوں نے اپنے اثرات کو استعمال کرے معاشرت، سیاست، زبان اور تعلیم سے متعلق اپنے اصلاحی مشن کو آگے بڑھایا۔چونکہ وہ مزاجا تقلید اور اندھی پیروی کے مخالف تھے اس لئے ان کا یہ رنگ ان کے فتاویٰ میں صاف طور سے نظر آتا ہے۔ان کی کوشش تھی کہ وہ اسلام اور جدید عصری تقاضوں کی روشنی میں عوام کی مشکلات کا حل پیش کریں۔(۲۵)

قضا اور افتاء جیسی اہم ذمہ داریوں پر ہوتے ہوئے بھی وہ ملک اور معاشرہ کی فلاح و بہبود کے لئے دوسری سرگرمیوں میں حصہ لیتے رہے۔۱۸۹۹ء میں انہیں "مجلس شوری القوانین" کا ممبر بنایا گیا۔اس کے بعد "مجلس الاوقاف الاعلی" کی ممبر شپ بھی انہیں عطا کی گئی۔ ان دونوں مجالس میں انہوں نے برابر شرکت کی اور ملک اور باشندگان ملک کے حق میں مناسب مشورے دئے، سرکاری اداروں کے علاوہ خالصۃً عوامی اداروں میں بھی وہ بہت اہم

Marfat.com

کرار ادا کرتے تھے۔ "الجمیعة الاسلامیة الخیریة" کے اولین موسسین کی فہرست میں ان کا نام بھی شامل تھا۔ اس انجمن کا مقصد غریب بچوں کی تعلیم و تربیت کا اہتمام تھا اور اس میں انجمن کو نمایاں کامیابی حاصل ہوئی۔ اس کے علاوہ انہوں نے " جمیعة احیاء الکتب العربیة القدیمة " کے نام سے ایک ادارہ بھی قائم کیا تھا۔ اس کا مقصد قدیم عربی کتابوں کی نشر و اشاعت تھا۔ (۲۶)۔ انہوں نے عدالتی نظام کی اصلاح کا بھی بیڑہ اٹھایا۔ وہ ججوں کا فکری اور اخلاقی معیار بہت بلند دیکھنا چاہتے تھے۔ اور ان کے فرائض واختیارات میں وسعت اور استحکام کے خواہاں تھے۔ ان تمام ہمہ گیر مصروفیات کے ساتھ وہ اسلام اور مسلمانوں کے خلاف شائع ہونے والے مستشرقین کے مقالات اور تصانیف کا جائزہ بھی لیتے رہتے تھے۔ اور ان کا جواب لکھتے تھے۔ انکے بعض مقالات " الاسلام و النصرانیة مع العلم و المدینة" کے نام سے کتابی شکل میں شائع ہوئے ہیں۔ ان مقالات کی جامعیت اور قوت استدلال کا اعتراف خود مستشرقین نے کیا ہے۔ (۲۷)

زندگی کے آخری لمحہ تک انہوں نے اپنا مشن جاری رکھا، خدیو اسماعیل کی خود پسندی اور مفاد پرستی کی وجہ سے شدید اختلافات بھی ہوئے۔ اور ایک وقت وہ بھی آیا جب افتاء کی ذمہ داری سے استعفیٰ دیدیا لیکن مختلف کمیٹیوں اور انجمنوں سے وابستگی، اہم معاشرتی، سیاسی اور دینی مسائل پر مقالات کی تصنیف، تعلیمی اداروں کے نصاب تعلیم اور طرز تعلیم میں اصلاح کے لئے جد و جہد اور اسلام مخالف پروپگنڈوں کے منہ توڑ جواب دینے کا سلسلہ آخیر عمر تک جاری رہا اور اس وقت بھی جبکہ ڈاکٹروں نے ان کے مرض (کینسر) کی سنگینی سے انہیں مطلع کر دیا تھا، وہ اپنے کام میں مصروف رہے۔ بالآخر ۵۹ سال کی عمر میں ۱۱ جولائی ۱۹۰۵ء کو وہ مالک حقیقی سے جا ملے۔ انکے انتقال پر مصر میں عوامی اور حکومتی سطح پر سوگ منایا گیا اور ان کی موت کو عالم اسلام کیلئے ایک عظیم نقصان قرار دیا گیا۔ (۲۸)

سرمایۂ تفسیر

شیخ محمد عبدہ نے قرآن مجید کا درس بھی دیا اور اس کی تفسیر بھی لکھی۔ البتہ ان کے درس کا حصہ تفسیر کے بالمقابل زیادہ ہے۔ وہ مختلف وجوہ کی بنا پر تفسیر لکھنے کی ضرورت کے قائل نہیں تھے۔ انکے شاگرد رشید رضا کا بیان ہے کہ انہوں نے اپنے استاد سے ملاقات کے بعد سب سے پہلی

Marfat.com

تجویز قرآن مجید کی تفسیر لکھنے سے متعلق رکھی۔ لیکن انہوں نے یہ کہہ کر منع کر دیا کہ تفاسیر کی تعدادیوں ہی بہت زیادہ ہے اور سب مل کر آیات قرآنی کی تشریح و توضیح کے ضروری پہلوؤں کا احاطہ کر لیتی ہیں۔ تفسیر لکھنے سے گریز کی دوسری بڑی وجہ لوگوں میں ذہنی و فکری استعداد کی کمی تھی۔ عموماً ان کے اندر اس طرح کی کتابوں سے خاطر خواہ فائدہ اٹھانے کی صلاحیت نہیں تھی۔ شیخ محمد عبدہ کہا کرتے تھے کہ مصری کتب خانوں میں کتابوں کی کمی نہیں بلکہ بیدار مغز، ذود فہم اور کثیر المطالعہ افراد کی کمی ہے۔(۲۹)

وہ تقریر اور درس قرآن کی اہمیت اور اثر انگیزی کے معترف تھے۔ ایک مقرر اپنے مدعا کے اظہار کے لئے الفاظ کے علاوہ حرکات و سکنات سے بھی مدد لیتا ہے۔ اس کی نظر اپنے مخاطب پر مرکوز ہوتی ہے اور مخاطب بھی اس کی باتوں کو غور سے سنتا ہے اور حسب ضرورت مشتبہ اور مشکل امور کی مزید وضاحت طلب کرتا ہے۔ اس طرح اخذ و استفادہ کا امکان تقریر اور درس کی شکل میں زیادہ ہوتا ہے۔(۳۰)

تقریر ہو یا تحریر ہر دو ذرائع سے شیخ محمد عبدہ کا جو کچھ تفسیری سرمایہ ہم تک منتقل ہوا ہے وہ مقدار میں کم ہونے کے باوجود قابل قدر اور لائق مطالعہ ہے۔ اس کے مطالعہ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ شیخ محمد عبدہ ذخیرہ تفسیر میں کسی اضافہ کے بجائے لوگوں کو قرآن مجید کے اصل پیغام اور اس کی حقیقی روح سے روشناس کرانا چاہتے تھے۔ اسی لئے آخری عمر کے دروس قرآن کے علاوہ انہوں نے کبھی بھی قرآن مجید کی سورتوں کا علی الترتیب از اول تا آخر درس کا ارادہ نہیں کیا۔ بلکہ وہ ایک موضوع کا انتخاب کرتے تھے۔ اور اس سے متعلق قرآنی آیات کو یکجا کر کے ان کی روشنی میں گفتگو کرتے تھے۔ انہوں نے تفسیر قرآن کے موضوع پر جو کچھ لکھا ہے اسکی کسی قدر تفصیل درج ذیل ہے۔

۱۔ **تفسیر پارہ عم** (۳۱):۔ اسے انہوں نے "الجمعية الخيرية الاسلامية مصر" کے ارکان کے مشورہ سے لکھا تھا۔ تاکہ یہ جمعیت کے زیر اہتمام قائم مدارس کے اساتذہ کے لئے ماخذ اور مرجع کے طور پر استعمال ہو سکے اور وہ اس کی مدد سے اپنے طلبہ کو اس پارہ کی سورتوں کے مطالب سے آگاہ کریں۔ یہ ایک مختصر تفسیر ہے۔ اس کی زبان آسان اور صاف ستھری ہے۔ اس میں مفسرین کے اختلافات اور نحو و لغت کے پیچیدہ مباحث سے بالکل تعرض نہیں کیا گیا ہے۔(۳۲)

Marfat.com

۲۔ **تفسیر سورہ العصر**:۔ شیخ محمد عبدہ نے ۱۹۰۲ء میں بلاد مغرب کا سفر کیا تھا اس وقت انہوں نے الجزائر کے علماء اور مفکرین کی منتخب جماعت کے سامنے اس سورہ کے مطالب بیان کئے تھے ، یہ ایک طویل تفسیر ہے اور کل سات دنوں میں لکچرس کی شکل میں پیش کی گئی تھی۔(۳۳)

۳۔ **دروس من القرآن الکریم**:۔ یہ ان دروس قرآن کا مجموعہ ہے جو شیخ محمد عبدہ نے بیروت اور قاہرہ کی مساجد میں مختلف مواقع پر پیش کئے تھے، اس میں قرآن مجید کی ایک آیت یا کئی آیات کو منتخب کر کے ان کی تشریح و توضیح کی گئی ہے۔ اور ان کی روشنی میں مسلمانوں کو ان پر عائد ہونے والی ذمہ داریوں سے آگاہ کیا گیا ہے اور ساتھ ہی قرآن کی عظمت اور اسلام کی حقانیت کا اثبات کیا گیا ہے۔(۳۴)

۴۔ **تفسیر "المنار" از ابتدا تا سورہ النساء آیت نمبر ۱۲۶**:۔ یہ ان دروس کی تحریری شکل ہے جو شیخ محمد عبدہ نے اپنے احباب اور مریدین کے سامنے جامعہ ازہر میں دئے تھے۔ شیخ اس کے لئے تیار نہیں تھے لیکن محمد رشید رضا کے اصرار اور شدید خواہش پر آمادہ ہو گئے تھے۔ یہ سلسلۂ درس محرم ۱۳۱۷ھ سے محرم ۱۳۲۳ھ تک کل چھ سال جاری رہا۔ محمد رشید رضا کا معمول تھا کہ وہ اپنے استاد کے درس کی اہم باتیں نوٹ کر لیتے تھے۔ پھر بعد میں فراغت کے وقت اپنی یادداشت پر اعتماد کر کے مزید تفصیلات یکجا کر لیتے تھے۔ یہ دروس بعد میں افادۂ عام کی غرض سے مجلّہ "المنار" کے صفحات پر شائع ہونے لگے۔ لیکن اشاعت سے پہلے شیخ محمد عبدہ کے سامنے نظر ثانی کے لئے پیش کئے جاتے تھے۔ وہ حسب ضرورت اس میں حذف و اضافہ بھی کرتے تھے۔ لیکن اکثر و بیشتر اپنے شاگرد کی صلاحیتوں کا اعتراف کرتے تھے اور خوشی کا اظہار کرتے تھے۔(۳۵)

طریقۂ درس و تفسیر

قرآن مجید کی آیات کا درس ہو یا ان کی کتابت، شیخ محمد عبدہ ان دونوں میں ایک متعین نہج اور طریقہ کار کے پابند تھے، اس سلسلے میں سب سے اہم اصول قرآن مجید پر براہ راست غور و فکر اور اس سے اخذ و استفادہ تھا، وہ اس خیال سے کہ مبادا کسی مفسر کی رائے سے متاثر نہ ہوں، بالعموم کسی تفسیر سے رجوع نہیں کرتے تھے، ہاں اگر عربی زبان یا اعراب سے متعلق کوئی

Marfat.com

پیچیدہ مبحث ہوتا تھا تو بقدر ضرورت کسی تفسیر سے مراجعت کر لیتے تھے۔ اپنے اصول کی صراحت شیخ محمد عبدہ نے خود کی ہے۔ وہ لکھتے ہیں۔

" لاننی لا اطالع قبل ان اقرا لکننی ربما اتصفح کتاب تفسیر اذا کان هناك وجه غریب فی الاعراب او نکتة غریبة فی اللغة "

(۳۶)

(میں درس دینے سے پہلے کسی تفسیری کتاب کا مطالعہ نہیں کرتا ہوں البتہ جب کبھی اعراب یا زبان سے متعلق کوئی عجیب و غریب شکل سامنے آجاتی ہے تو کسی تفسیر کی کتاب کی ورق گردانی کر لیتا ہوں۔)

آیات کی تشریح و توضیح میں وہ اصلاً اپنی عقل پر اعتماد کرتے تھے ان کا یہ خیال تھا کہ اگر عقل کا صحیح استعمال کیا جائے تو مطالب تک رسائی کے لئے اس سے بہتر اور موثر کوئی دوسرا ذریعہ نہیں۔ (۳۷)۔ چنانچہ وہ آیات کی تلاوت کے بعد قرآن مجید کے استعمالات اور زبان و بلاغت کے اصولوں کی روشنی میں ان کے معانی کا تعین کرتے تھے۔ وہ اس امر کا پورا اہتمام کرتے تھے کہ ان کی تشریحات جدید انسان کے فکری معیار سے متصادم نہ ہوں۔

اظہار اور تعبیر کے باب میں بھی انکا ایک منفرد طریقۂ کار تھا۔ وہ ان مقامات پر قدرے تفصیل اور وضاحت سے کام لیتے تھے جہاں بالعموم مفسرین نے غفلت اور کوتاہی کا مظاہرہ کیا ہے اور ان مسائل کے سلسلے میں انتہائی مختصر گفتگو کرتے تھے جو مفسرین کی دلچسپیوں کے اصل مرکز تھے جیسے لغت، اعراب اور بلاغت کے مباحث یا قصص و حکایات اور تاریخی اشخاص و مقامات وغیرہ کی تفصیلات۔ (۳۸)

تحریر یا تقریر سے قبل وہ اپنے سامعین یا مخاطبین کے ذہن و مزاج کا بخوبی اندازہ کر لیتے تھے۔ اگر ماحول سازگار ہوتا اور لوگ اخذ و استفادہ کے لئے آمادہ ہوتے تو وہ کتاب اللہ کے مطالب بیان کرتے، بصورت دیگر اجتناب کی راہ اختیار کرتے، دوران درس بھی وہ اپنے اس اصول کا پاس رکھتے تھے، چنانچہ اگر وہ محسوس کر لیتے کہ مجلس میں کم فہم یا کند ذہن لوگوں کی اکثریت ہے اور وہ سننے سمجھنے کی مطلوبہ صلاحیت سے عاری ہیں تو وہ اپنے درس میں حد درجہ اختصار سے کام لیتے۔ اس کے برعکس اگر مجلس میں توجہ اور انہماک

Marfat.com

سے سننے کا ماحول ہوتا اور لوگوں کی ذہنی و فکری سطح بلند نظر آتی تو وہ قرآن پاک کے اسرار و رموز کو تفصیل کے ساتھ بیان کرتے۔(۳۹) مکمل تفسیر قرآن لکھنے سے اجتناب کی وجہ بھی یہی تھی کہ وہ مصر میں پڑھنے لکھنے کے شوقین اور غور و فکر کرنے کے عادی اشخاص کی حد درجہ کمی پاتے تھے۔ان کا خیال تھا کہ ایسے لوگوں کے سامنے آیات قرآن کی تفسیر سے اس کتاب کی عظمت اور وقار کو نقصان پہنچے گا۔

مشہور مصری مفکر ڈاکٹر احمد امین نے شیخ محمد عبدہ کے طریقۂ تفسیر پر گفتگو کرتے ہوئے لکھا ہے کہ انہیں جب کسی عقیدہ سے متعلق آیت کی تشریح کرنی ہوتی تو سب سے پہلے وہ قرآن مجید کی ان آیات کا حوالہ دیتے جہاں اس عقیدہ کا تذکرہ ہوتا۔ان سب کی مدد سے وہ اس عقیدے کے بنیادی خدوخال واضح کرتے۔پھر مسلم معاشرہ میں اس عقیدے کے تعلق سے جو فساد آیا ہے اس کی وضاحت کرتے اور اس فساد کے تدارک کی شکلیں بتاتے۔اسی طرح اگر اخلاقیات یا معاشرت سے متعلق کوئی آیت ہوتی تو سب سے پہلے وہ اخلاقیات کی اہمیت واضح کرتے۔پھر قوموں کے عروج و زوال اور صلاح و فساد میں ان کے کلیدی کردار کی تفصیلات بیان کرتے۔معاشرتی مسائل کے تذکرہ میں وہ انتہائی خوش اسلوبی سے اقوام عالم اور مسلم ممالک کی صورتحال کا جائزہ لے لیتے اور ان کی بہتری اور اچھائی کے تعلق سے انتہائی مفید مشورے دیتے۔اس طرح ان کی تفسیر کو عملی یا اخلاقی تفسیر کہا جا سکتا ہے۔ان کی تفسیر کی ایک خوبی یہ بھی ہے کہ اس میں تقویٰ، خدا ترسی اور روحانیت کے اعلیٰ معیار کی وضاحت کی گئی ہے اور نفس انسانی کو ان تک رسائی حاصل کرنے کے لئے شوق و رغبت دلائی گئی ہے۔اس معنی میں ہم اسے روحانی تفسیر بھی کہہ سکتے ہیں۔(۴۰)

فہم قرآن کی ضرورت واہمیت

فہم قرآن کی ضرورت واہمیت کے سلسلہ میں انہوں نے تفسیر المنار کے مقدمہ میں جن خیالات کا اظہار کیا ہے ان کا خلاصہ ذیل کی سطروں میں پیش کیا جاتا ہے۔

قرآن مجید ایک ایسی کتاب ہے جسے اللہ تعالیٰ نے لوگوں کی ہدایت اور رہنمائی کے لئے نازل فرمایا ہے۔اس میں انسان کو اس کی تخلیق کی غرض و غایت، کائنات کے اندر اس کے مقام و مرتبہ اور اس کے حدود و اختیارات سے آگاہ کیا گیا ہے اور اس کی تعلیمات کے مطابق

Marfat.com

زندگی بسر کرنے کی شکل میں اسے دنیاو آخرت کی سعادت اور فلاح کی ضمانت دی گئی ہے۔ قرن اول کے مسلمانوں نے قرآن مجید کے اس پیغام کو اچھی طرح ذہن نشین کرلیا تھا ۔چنانچہ اللہ تعالیٰ کی مدد اور تائید ان کے شامل حال ہوئی اور وہ اس دنیا کے ایک بڑے حصے پر غالب ہوگئے۔ ان کی عظیم فتوحات کا واحد سبب ایمان و یقین، صبر و استقامت اور عزم و حوصلہ پر مبنی وہ قوت و طاقت تھی جو قرآن مجید کی تلاوت اور مطالعہ سے انہیں حاصل ہوئی تھی۔ دراصل قرآن مجید تمام قوتوں کا منبع اور تمام علوم و فنون کا ماخذ ہے، یہ ایک ایسا نسخۂ کیمیا ہے جو انسان کے دلوں میں خالق حقیقی سے عشق و محبت کا رس گھول دیتا ہے اور معبودان باطل سے حد درجہ نفرت کا داعیہ پیدا کرتا ہے۔(۴۱)

ان سب تفصیلات کے بیان کرنے کا مقصود یہ ہے کہ دور حاضر کے مسلمان قرآن مجید کی قدر و منزلت سے آگاہ ہوں۔ آج ان کا حال یہ ہے کہ وہ اس عظیم کتاب کے فہم سے عاری ہیں۔ وہ قرآن کے الفاظ اپنی زبانوں سے ادا کر لیتے ہیں لیکن ان کی روح ان کے قلب وجگر کی گہرائیوں تک نہیں پہنچ پاتی۔ وہ اسلام کے احکام پر عمل کرتے ہیں لیکن ان کی زندگیاں ان کے اثرات سے خالی ہیں۔ انہوں نے قرآن کے ساتھ بھی وہی سلوک کیا جو وہ اسلام اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ کر رہے ہیں۔ وہ اپنی قسموں میں خدا، رسول اور قرآن کا بے دریغ حوالہ دیتے ہیں۔ انہیں یہ معلوم نہیں کہ وہ کیا کر رہے ہیں۔ دراصل قرآن انہیں ورثے میں ملا ہے۔ انہوں نے کبھی اس کے مطالب پر غور کرنے کی زحمت نہیں کی۔ وہ اس کی تعظیم و تکریم کے ظاہری آداب بجالاتے ہیں۔ اسے طاقوں میں سجاتے ہیں۔ حریر و ریشم کے جزدان میں رکھتے ہیں۔ امراض اور مصیبتوں سے نجات کے لئے اس کی تعویذ بھی بناتے ہیں اور ارواح خبیثہ سے نجات کیلئے اس کی آیت لکھ کر اپنے گھروں میں آویزاں کرتے ہیں۔ کاش کہ انہیں معلوم ہوتا کہ عقیدت و محبت کے ان مظاہر سے قرآن کی تکریم میں اضافہ کے بجائے اس کی شان میں گستاخی ہوتی ہے۔ دوسری طرف ہمارے قراء حضرات کا یہ حال ہے کہ وہ مخارج کی ادائیگی اور آواز کے حسن پر پوری توجہ صرف کئے ہوئے ہیں اور فہم کے لئے ان کے پاس کوئی وقت نہیں۔ اسی لئے آج کی جاہلیت دور اول کی جاہلیت سے زیادہ سنگین معلوم ہوتی ہے کیونکہ اس زمانے میں کچھ ایسے بھی لوگ تھے جو قرآن کو خوب اچھی طرح سمجھتے تھے۔(۴۲)

Marfat.com

(یعرفونه کما یعرفون ابنائهم)

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ قرآن مجید کا سمجھنا اور اس سے ہدایت حاصل کرنا ہر مسلمان پر لازم ہے کیونکہ قرآن مجید کے نزول کی غرض و غایت فہم کلام کے بغیر پوری نہیں ہو سکتی۔اسی طرح قرآن کی تعلیمات اور شریعت اسلامی کی مصالح سے واقفیت اور انسانی زندگی پر ان کی اثر انگیزی بھی فہم قرآن پر موقوف ہے۔ مسلمانوں کے فکر و عمل کا استحکام اور دوام بھی اسی سے ممکن ہے۔یہی وجہ ہے کہ امت مسلمہ ہر زمانے اور ہر دور میں فہم قرآن کی ضرورت و اہمیت پر متفق رہی ہے۔اور عہد رسالت کا ہر مسلمان واقعۃً اس قرآن کو سمجھتا تھا اور اس پر عمل کرتا تھا۔(۴۳)

فہم قرآن کے لزوم کی جو بات اوپر کہی گئی ہے اس سے مراد قرآن کا ایسا فہم ہے جس سے انسان اپنے رب کی پسند و ناپسند اور اپنے فرائض اور حدود و اختیارات سے آگاہ ہو جائے۔ ظاہر ہے اس طرح کا فہم ہر اس انسان سے ممکن ہے جو عربی زبان سے واقف ہو گا۔اس کے لئے اسے بہت زیادہ محنت اور مشقت نہیں اٹھانی پڑے گی۔ یہی وہ فہم ہے جسے اللہ تعالیٰ نے ہر خاص و عام کے لئے آسان بنا دیا ہے۔ارشاد خداوندی ہے۔(۴۴)۔" ولقد یسر نا القرآن للذکر فھل من مدکر"

تفسیر کا مطلوبہ معیار

قرآن مجید اللہ تعالیٰ کی آخری کتاب ہے۔یہ انسانیت کے لئے خدا کا آخری ہدایت نامہ اور مکمل نظام حیات ہے۔اور انسانوں کی دنیوی و اخروی فلاح و کامرانی کا ضامن ہے۔ قرآن سے متعلق مذکورہ بالا حقائق سے اختلاف کی کوئی گنجائش نہیں۔اس لئے عقل و خرد کا یہ تقاضا ہے کہ اس کی تفسیر کی جو کاوش بھی کیجائے اس میں مذکورہ امور کی پوری رعایت کی جائے اور ان سے انحراف نہ کیا جائے۔ شیخ محمد عبدہ کی نظر میں تفسیر کا مطلوبہ معیار یہی تھا۔یعنی یہ کہ کتاب اللہ کو کتاب رشد و ہدایت تسلیم کر کے اس کا مطالعہ کیا جائے اور اسکے مطالب کی تشریح و توضیح میں اس کی اس امتیازی شان کو ملحوظ رکھا جائے۔وہ لکھتے ہیں:۔

التفسیر الذی نطلبه هو فهم الکتاب من حیث هو دین یرشد الناس إلی مافیه سعادتهم فی حیاتهم الدنیا و حیاتهم الآخرة فان هذا هو

Marfat.com

المقصد الاعلیٰ منه و ما وراء هذا من المباحث تابع له وداء؟ او وسیلة لتحصیله. (۴۵)

"ہم جس طرح کی تفسیر چاہتے ہیں وہ یہ ہے کہ کتاب اللہ کو اس طرح سمجھا جائے کہ دراصل وہ ایک ایسا دین ہے جو لوگوں کو دنیوی اور اخروی سعادت سے ہمکنار کرنے والا ہے۔ کیونکہ یہی قرآن مجید کے نزول کا اصل مقصد ہے۔ اس کے علاوہ جتنے مباحث ہیں ان کی حیثیت مذکورہ مقصد کی تحصیل کے ذریعے کی ہے یا وہ اسی کے تابع ہیں"

تفسیر المنار کے مقدمہ میں علامہ رشید رضا نے بہت تفصیل سے اپنے استاذ کے خیالات کی وضاحت کی ہے۔ اس میں انہوں نے بتایا ہے کہ قدیم زمانے سے لیکر اب تک جو تفاسیر لکھی گئی ہیں ان میں سے ہر ایک میں چند متعین مقاصد پیش نظر رہے ہیں اور انہی کی تفصیل و تشریح پر ان کی مولفین کی توجہ مرکوز رہی ہے۔ لیکن دیکھا یہ گیا ہے کہ اکثر و بیشتر تفاسیر میں قرآن مجید کے اصل پیغام پر بہت کم توجہ دی گئی ہے۔ ان میں ایسے مباحث کی کثرت ہے جو لوگوں کو کتاب کے اصل مقصد سے غافل کر دیتے ہیں اور انہیں غیر مفید باتوں میں الجھا دیتے ہیں۔ اسی لئے محمد عبدہ بار بار تاکید کے ساتھ یہ بات کہتے ہیں کہ وہ کتاب اللہ کو اللہ رب العالمین کی طرف سے ہدایت کی کتاب سمجھتے ہیں اور اسکی تعلیمات پر عمل کو انسانوں کی دنیوی و اخروی سعادت کا باعث تسلیم کرتے ہیں اور یہ کہ وہ قرآن کی جو تفسیر بھی لکھتے ہیں اس میں قرآن مجید کا یہ وصف ہمیشہ ان کے پیش نظر رہتا ہے۔ (۴۶)

شیخ محمد عبدہ نے قدیم کتب تفسیر کا مطالعہ کیا تھا ان کے سامنے تمام مفسرین کے مناہج تفسیر واضح تھے۔ وہ چاہتے تو ان کی اتباع کرتے ہوئے ان ہی کے طرز کی ایک اور تفسیر لکھ ڈالتے ۔یا کم از کم ان کی مدد سے ایک نئی چیز ترتیب دے دیتے لیکن ان کے یہاں تو تفسیر کا مطلب ہی کچھ اور تھا۔ اس کے بغیر تفسیر بے معنی اور سعی لاحاصل تھی۔ وہ لکھتے ہیں:۔

"عصر حاضر میں اور اس سے صدیوں پہلے سے تفسیر کا مطلب صرف یہ سمجھا جاتا ہے کہ مفسرین کے اقوال سے واقفیت حاصل کی جائے حالانکہ ان کے اقوال میں اس قدر اختلاف اور تضاد پایا جاتا ہے کہ وہ قرآن کی شان سے

Marfat.com

بالکل مطابقت نہیں رکھتے۔اے کاش کہ اقوال مفسرین کے یہ طالبین اپنی عقل و فہم سے کام لے کر قرآنی الفاظ کے معانی معلوم کرتے اور ان کو لوگوں کے سامنے پیش کرتے۔ مگر افسوس کہ انہوں نے ایسا نہیں کیا۔ وہ صرف اس بات کے خواہاں ہیں کہ دوسروں پر اپنی علمیت کا رعب جمانے اور بحث و مباحثہ میں غلبہ حاصل کرنے کے لئے مفسرین کے زیادہ سے زیادہ اقوال جمع کر دیں اور انہیں یاد کر لیں۔ پھر اعراب اور تاویل سے متعلق نادر اور عجیب و غریب شکلیں پیش کریں جنکا مقاصد نزول قرآن سے کوئی سروکار نہ ہو"(۴۷)

شیخ محمد عبدہ نے تفسیر کے بارے میں اپنے مرکزی نظریے کے اظہار اور عام مفسرین کی روش پر تنقید کے علاوہ تفسیر سے متعلق ایک ہمہ گیر خاکہ بھی پیش کیا تھا۔انہوں نے اپنے عمیق مطالعہ اور کشادہ ذہن سے کام لے کر کسی تفسیر کی عمدگی اور کامیابی کے لئے پانچ شرطوں کی موجودگی ضروری قرار دی ہے۔ان میں سے پہلی شرط قرآن مجید میں مستعمل مفرد الفاظ کی تحقیق اور ان کی کنہ و حقیقت کا ادراک ہے۔یہ ملکہ کلام عرب کے مطالعہ اور اہل لغت کی تصریحات سے آگہی کے بعد پیدا ہوتا ہے۔دوسری شرط اسالیب زبان سے واقفیت ہے۔یہ صلاحیت بھی فصیح و بلیغ کلام کے مطالعہ اور مشق و ممارست سے پیدا ہوگی۔ تیسری شرط قوموں اور اشخاص کے احوال و ظروف کا علم ہے۔جس کی تفصیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں مختلف مقاصد کے تحت تاریخ انسانی کی بعض اقوام اور اشخاص کا ذکر کیا ہے۔ان کے مطالعہ سے ان قوموں اور افراد کے عروج و زوال اور اقبال و ادبار میں کارفرما قوانین فطرت اور سنت الٰہی سے واقفیت ہوتی ہے۔اس لئے ایک مفسر کو تاریخ عالم اور انسانی نفسیات سے باخبر ہونا چاہیے۔ چوتھی شرط عہد جاہلیت اور عہد رسالت پر گہری نظر ہے کیونکہ اس سے یہ معلوم ہوگا کہ قرآن مجید نے کفر و شرک کی آلودگیوں میں ملوث انسانیت کو ایمان و عقیدہ کی کتنی عظیم نعمت سے ہمکنار کیا۔اور اس کتاب کی تعلیمات نے لوگوں کی زندگیوں میں کس قدر بڑا انقلاب برپا کیا۔پانچویں شرط نبی کریمؐ اور ان کے اصحاب کی سیرت کا مطالعہ ہے کیونکہ اس سے قرآن کے افکار کی عملی تعبیر دیکھنے کا موقع ملے گا اور اس حقیقت پر یقین در

Marfat.com

زیادہ پختہ ہو گا کہ قرآن انسانی قلوب کی تطہیر اور ان کا تزکیہ کرنے کے لئے آیا ہے۔(۴۸)
مذکورہ بالا بصراحتوں پر ایک نظر ڈالنے سے یہ حقیقت واضح ہوتی ہے کہ محمد عبدہ کی نظر میں قرآن مجید کی حقیقی تفسیر وہ ہے جس میں مفسر قرآن پاک کے مقصد نزول کو اساسی اہمیت دے۔ پھر قرآن کے استعمالات اور اپنے ذوق وجدان کی روشنی میں وہ آیات کے مطالب بیان کرے۔ اور اپنی تشریحات میں اس امر کا اہتمام کرے کہ ان سے انسان کو روحانی مسرت حاصل ہو اور وہ عمل وہدایت کی راہ پر گامزن ہو۔ اس طرح کی تفسیر میں نحو وبلاغت کے مسائل انتہائی اختصار کے ساتھ اور بقدر ضرورت زیر بحث آئیں گے اور اس حد تک ہونگے کہ قرآن کے پیغام کے لئے حجاب نہ بنیں۔ اس میں اصل اہمیت غور وفکر اور فہم وتدبر کو حاصل ہو گی اور تقلید واتباع کے لئے کوئی جگہ نہ ہو گی۔(۴۹)

سورتوں کی موضوعاتی وحدت

جیسا کہ وضاحت ہو چکی ہے کہ شیخ محمد عبدہ کے نزدیک تفسیر قرآن کا سب سے اہم ماخذ خود قرآن کریم ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس کتاب کی تنزیل کی طرح اس کے مطالب اور مفاہیم کی وضاحت بھی اپنے ذمہ لی ہے، چنانچہ اگر پورے قرآن کو غور سے پڑھا جائے اور اس میں مذکورہ حقائق کو اس کے اپنے بیانات کی روشنی میں سمجھنے کی کوشش کی جائے تو مشکلات فہم قرآن پر بآسانی قابو پایا جاسکتا ہے۔ "قرآن کی تفسیر قرآن کے ذریعہ ہو" اس اصول کے انطباق کے کئی ایک پہلو ہیں (۵۰)۔ ان ہی میں سے ایک موضوعاتی وحدت بھی ہے کیونکہ اگر کسی سورہ کا کوئی موضوع متعین کرلیا جائے تو اس کی روشنی میں سورہ کی آیات کو سمجھنا آسان ہو جاتا ہے۔

شیخ محمد عبدہ قرآن مجید کو ایک منظم اور مربوط کلام مانتے ہیں۔ ان کی نظر میں قرآن حکیم کے تمام اجزاء اس کے اساسی مقاصد نزول سے ہم آہنگ ہیں اور ان کے مابین کوئی اختلاف یا تضاد نہیں ہے۔(۵۱) قرآن مجید کی ہر سورہ اس کے مقاصد نزول میں سے کسی ایک کی زیادہ تفصیل سے وضاحت کرتی ہے جبکہ اس میں دیگر مقاصد کا تذکرہ ضمنی ہوتا ہے۔ سورتوں کے اس اختصاص وامتیاز کو ہم دوسرے الفاظ میں مرکزی موضوع کہتے ہیں۔

شیخ محمد عبدہ نے اپنی تفسیر میں سورتوں کے مرکزی موضوع کو بہت زیادہ اہمیت دی

Marfat.com

ہے۔اسی لئے آیات کی تشریح کے دوران جگہ جگہ مرکزی موضوع کا حوالہ دیا ہے۔ان کا یہ انداز تفسیر پارۂ عم میں خاص طور سے نمایاں ہے جہاں اکثر و بیشتر سورتوں کی تفسیر سے پہلے ان کے موضوع کی نشاندہی کی ہے۔ پھر دوران تفسیر آیات کے ان کے مرکزی موضوع سے ربط کی وضاحت کی ہے۔ یہی نہیں بلکہ اس سے آگے بڑھ کر انہوں نے کبھی کبھی دو یا تین سورتوں کے درمیان بھی موضوعاتی ربط ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔چنانچہ سورہ الانفطار کے شروع میں انہوں نے "سورہ التکویر" سے موضوعاتی تعلق کی نشاندہی کی ہے۔(۵۲)

انہوں نے سورہ فاتحہ اور سورہ بقرہ کی تفسیر میں اور زیادہ کے وضاحت کے ساتھ اپنی فکر کو پیش کیا ہے۔وہ تفسیر سورہ "الفاتحہ" کے مقدمہ میں لکھتے ہیں۔

" ان الفاتحة قد اشتملت اجمالا علیٰ الاصول التی یفصلها القرآن تفصیلا فکان انزالها اولا موافقا لسنة الله تعالیٰ فی الابداع و علی هذا تکون الفاتحة جدیرة بان تسمی ام الکتاب " (۵۳)

"بلا شبہ سورہ فاتحہ ان اصولوں پر مشتمل ہے جن کی پورے قرآن میں تفصیلات بیان کی گئی ہیں۔اس طرح سورہ فاتحہ کا پہلے نازل کیا جانا اللہ تعالیٰ کے قانون تخلیق کے عین مطابق ہے اور اسی وجہ سے سورہ فاتحہ اس بات کی مستحق ہے کہ اسے ام الکتاب کہا جائے"۔

تفسیر سورۂ فاتحہ کے مقدمہ میں انہوں نے ان اصولوں اور مقاصد کی صراحت بھی کی ہے جو ان کے نزدیک پورے قرآن مجید میں اساسی اور مرکزی نوعیت کے ہیں۔اور جن کا انتہائی مجمل تذکرہ سورہ الفاتحہ میں ہے۔وہ بنیادی مقاصد کل پانچ ہیں۔

(۱) توحید (۲) انذار و تبشیر (۳) عبادات (۴) سعادت (۵) قصص و حکایات۔(۵۴)

اسی طرح سورہ البقرہ کے آغاز میں بھی انہوں نے اس کے مشتملات کی وضاحت کی ہے۔ جو ان کی نظر میں اسلام کی طرف دعوت اور عقائد و عبادات اور احکام شریعت کی تفصیلات کا احاطہ کرتی ہے۔(۵۵) موضوع کے تعین کے بعد اس سورہ کی تمام آیات کا اس سے ربط و تعلق ثابت کرنے کا مرحلہ آتا ہے۔انہوں نے یہ کام بھی انتہائی اہتمام کے ساتھ انجام دیا۔چنانچہ سورہ البقرہ کی تفسیر کے دوران جگہ جگہ اس کے مرکزی موضوع کا تذکرہ ملتا ہے۔

Marfat.com

الغرض شیخ محمد عبدہ سورتوں کی موضوعاتی وحدت کو ایک مسلم حقیقت اور فہم قرآن کا ایک اہم ذریعہ سمجھتے ہیں۔ انھیں ان مفسرین پر سخت حیرت ہے جنہوں نے غور فکر کی کمی کے باعث آیات کے مابین ربط و تعلق اور سورہ کے مرکزی موضوع پر مشتمل ہونے کا انکار کر دیا۔ اسکی وجہ انکی نظر میں مفسرین کرام کا شان نزول سے متعلق روایات پر حد سے زیادہ اعتماد و انحصار ہے۔ یہ روایات سورتوں کی آیات کو الگ الگ ٹکڑوں میں تقسیم کر دیتی ہیں اور انھیں ایک دوسرے کیساتھ ملا کر پڑھنے اور غور و فکر کرنے سے ایک مفسر کو روک دیتی ہیں۔ بلا شبہ یہ روایات قرآن مجید کی فصاحت و بلاغت کے منافی ہیں اور فہم قرآن کی راہ میں رکاوٹ ہیں۔ اس لئے ان سے اجتناب لازم ہے (۵۶)

قرآن مجید :۔ عقائد و افکار کا اصل مرجع :

"تفسیر القران بالقرآن" کے اصول کا ایک اہم فائدہ یہ ہے کہ اسکی مدد سے مفسر کو صحیح عقائد تک رسائی حاصل ہوتی ہے۔ ہمارے قدیم مفسرین میں سے کچھ لوگوں نے اس اصول کو نظر انداز کر دینے کے سبب سخت قسم کی فکری و اعتقادی ٹھوکریں کھائی ہیں۔ کچھ فرقوں اور دینی گروہوں نے یہ جرأت بھی کی کہ اپنے مفروضہ خیالات کی تائید میں قرآنی آیات اور الفاظ کی من مانی تاویلیں کیں۔ جن کے باعث صحیح دینی معتقدات انکی نظروں سے ہمیشہ کیلئے اوجھل ہو گئے۔ شیخ محمد عبدہ امت مسلمہ کی فکری تاریخ کے اس سقم اور اس کے اسباب سے واقف تھے۔ وہ ایک دینی مصلح تھے۔ اس لئے انھوں نے اس فکری کجروی کی اصلاح پر خصوصی توجہ دی۔ اس سلسلے میں انھوں نے سب سے زیادہ زور قرآن کی اس حیثیت کے اثبات پر صرف کیا کہ وہی اصل معیار و میزان ہے، اس پر رکھ کر عقائد کی صحت و صداقت اور قدر و قیمت کا اندازہ کیا جانا چاہئے۔ اور اسے مصدر و ماخذ تسلیم کر کے افکار و خیالات کا اخذ و استنباط کیا جانا چاہئے۔ اپنی اس فکر کی وضاحت وہ ان الفاظ میں کرتے ہیں :۔

" اريد ان يكون القرآن اصلاً تحمل عليه المذاهب والآراء فى الدين لا ان تكون المذاهب اصلاً والقرآن هو الذى يحمل عليها ويرجع بالتاويل والتجريف اليها كما جرى عليه المخذلون وتاه فيه الضالون (۵۷)

Marfat.com

میں یہ چاہتا ہوں کہ قرآن کو اصل اور مرجع کی حیثیت حاصل ہو اور مذہبی و مسلکی افکار و خیالات اس سے مستنبط اور اس پر محمول ہوں۔ یہ ہرگز نہ ہو کہ مذاہب و مسالک کو اصل قرار دے کر قرآنی مندرجات میں تحریف و تاویل کے ذریعہ ان سے ہم آہنگ کرنے کی کوشش کیجائے، کیونکہ یہ گمراہ لوگوں کا طریقہ کار ہے۔

انہوں نے اپنے اس نظرے کی وضاحت کے لئے ان مفسرین پر سخت تنقید کی ہے جو مخصوص عقائد و افکار کی عینک سے قرآن کریم کا مطالعہ کرتے ہیں اور اس کے نتیجہ میں قرآنی مضامین کو اپنے عقائد کے سانچہ میں ڈھالنے کی کوشش کرتے ہیں۔ مشہور مصری مفکر ڈاکٹر عثمان امین نے لکھا ہے کہ

"شیخ سب سے زیادہ ان مفسرین پر ناراض تھے جنہوں نے اپنی تفسیروں میں قرآنی الفاظ سے کھیلواڑ کیا اور اس سے عجیب و غریب معانی مستنبط کئے۔ اس لئے وہ قرآن کی تفسیر میں عقل کی کارفرمائی کو بہت ضروری سمجھتے تھے۔ ان کا یہ خیال تھا کہ جب بھی کوئی مشتبہ نص ہمارے سامنے آئے تو سب سے بہتر اور مناسب طریقہ یہ ہے ہم اس سے اپنی لاعلمی کا اظہار کریں اور اس کے صحیح علم کو اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کردیں۔ دوسری شکل یہ ہے کہ ہم اس کی ایسی تاویل کریں جو مقبول عام قرائن کے مطابق، اسلام کی روح سے ہم آہنگ اور عربی زبان و قواعد کے موافق ہو" (۵۸)

"شیخ محمد عبدہ اس حقیقت پر کامل یقین رکھتے تھے کہ وہ افکار و خیالات جن کی بنیاد ظن و تخمین اور وہم و گمان پر ہوتی ہے اور جو قرائن سے ماخوذ نہیں ہوتے وہ اس قابل نہیں کہ ان پر توجہ دی جائے۔ عقل سلیم بھی ان سے ابا کرتی ہے۔ کیونکہ دین کا عقل سے بہت گہرا تعلق ہے۔ اور یہ دونوں اوہام و خرافات کو قبول نہیں کرتے۔ (۵۹)

عقل و فکر کا استعمال اور تقلید و اتباع سے اجتناب

شیخ محمد عبدہ کے نزدیک تفسیر قرآن میں انسانی عقل و فہم کا استعمال اور شعور و وجدان کی رعایت ناگزیر ہے۔ انہوں نے اپنی تفسیر میں قرآن حکیم کی غایت اولیٰ اور اس کے نزول کے اساسی مقصد کی وضاحت کے ساتھ ساتھ تدبر و تفکر اور اجتہاد و استدلال کی ضرورت و اہمیت

Marfat.com

کو ابھار کر پیش کرنے کی کوشش کی ہے۔ دراصل وہ خود ایک عظیم مفکر اور مدبر تھے اور حریت فکر و اظہار رائے کو انکے اصلاحی و تجدیدی مشن میں مرکزی حثیت حاصل تھی۔ (٦٠)۔ ازہری علماء میں وہ تنہا شخص تھے جنہوں نے جامعہ ازہر میں تجدید، تعقل اور اجتہاد کا علم بلند کیا اور حریت فکر و نظر کا دفاع کیا۔ اس کے نتیجے میں روایت پسند حلقوں کی طرف سے شدید مخالفت کی گئی لیکن علم و مشاہدہ پر مبنی اور کتاب و سنت سے ماخوذ فکر میں انہوں نے کوئی تبدیلی نہیں کی۔ ظاہر ہے ان کے ان افکار سے ان کی تفسیر کا متاثر ہونا لازمی امر تھا، چنانچہ تفسیر المنار کے مقدمہ میں وہ تحر آن عزیز کی فہم صحیح پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھتے ہیں۔

"أعنى بالفهم ما يكون عن ذوق سليم تصيبه اساليب القرآن بعجائبها و تملكه مواعظه فتشغله عما بين يديه مما سواه .لا اريد الفهم الماخوذ بالتسليم الاعمى من الكتب اخذا جافالم يصحبه ذلك الذوق و ما يتبعه من رقة الشعور و لطف الوجدان الذين هما مدار العقل و التأثر و الفهم و التدبر ." (٦١)

فہم قرآن سے میری مراد وہ فہم ہے جو ذوق سلیم سے عبارت ہو جس پر قرآن مجید اپنے اسالیب کی تمام تر ندرتوں کے ساتھ اثر انداز ہو اور جس پر اس کی حکمت و موعظت کے عناصر کا غلبہ ہو اور اس کے نتیجے میں آدمی اپنے گرد و پیش سے غافل ہو کر قرآن میں گم ہو جائے۔ میں ایسی فہم ہرگز مراد نہیں لیتا جو تفسیر کی کتابوں کی اندھی تقلید اور بے جان استنادہ پر مبنی ہو۔ اور جس میں ذوق سلیم، احساس لطیف اور وجدان نفس کا کوئی دخل نہ ہو۔ حالانکہ فہم و تدبر اور تاثیر و تفہیم کا انحصار ان ہی ساری باتوں پر ہے۔

مذکورہ اقتباس میں عقل کے ساتھ ذوق و وجدان سے مطابقت بھی فہم صحیح کے لئے ضروری قرار دی گئی ہے۔ کیونکہ شیخ محمد عبدہ کا یہ خیال ہے کہ قرآن مجید کی دعوت نے جس طرح انسان کی عقل و شعور کو مطمئن کیا اسی طرح اس نے اس کے جذبات و عواطف کو بھی تسکین و طمانیت عطا کی۔ (٦٢) اسی لئے وہ ایک مفسر کے لئے زبان کا بہترین ملکہ اور اسالیب کا اچھا ذوق بھی ضروری قرار دیتے ہیں۔ اس کے بعد ہی وہ اس قابل ہو گا کہ قرآن کے حسن

Marfat.com

بیان کو سمجھ سکے اور دوسروں کے سامنے اسے پیش کر سکے۔(۶۳)

شیخ محمد عبدہ نے اپنی تفسیر میں مذکورہ اصول کا پورا خیال رکھا ہے۔چنانچہ وہ جب تفسیر بیان کرنے یا لکھنے کا قصد کرتے تو تفسیر کی کوئی کتاب اپنے سامنے نہیں رکھتے کیونکہ اس سے اس کے مولف کے خیالات سے متاثر ہونے کا اندیشہ رہتا تھا(۶۴)۔ تقلید و اتباع سے بلند ہو کر جب انہوں نے اپنے وسیع علم و مطالعہ کی روشنی میں کتاب الٰہی کی تشریح کی تو فکر و عمل کی نئی جہات لوگوں کے سامنے آئیں۔(۶۵)۔اور قرآن کا پیغام علم جدید اور عصری تقاضوں سے ہم آہنگ نظر آنے لگا۔سچی بات تو یہ ہے کہ قرآن پر مجتہدانہ غور و فکر اور جدید انسان کے عقلی معیار کے مطابق قرآن حکیم کے پیغام کو پیش کرنے کی جو روایت شیخ محمد عبدہ نے قائم کی وہ وقت کی ضرورت تھی۔یہی وجہ ہے کہ ان کے بعد متعدد عرب مفسرین نے ان کے طرز کی اتباع کی۔(۶۶)

شیخ محمد عبدہ نے صرف اجتہاد، تفکر اور حریت رائے کی دعوت پر اکتفا نہیں کیا بلکہ اس سے آگے بڑھ کر تقلید اور اتباع پر شدید قسم کے حملے کئے۔انہوں نے تقلید سے حاصل شدہ معلومات کو جہل اور ظلمت سے تعبیر کیا ہے اور اسے فہم قرآن کی راہ میں ایک بڑی رکاوٹ قرار دیا ہے۔وہ تفسیر کے اندر نقل و روایت کے شائق مفسرین سے سخت ناراض تھے ان کی اس عادت کو انہوں نے فخر و غرور کے اظہار اور علمی تفوق کا سکہ جمانے کی خواہش کا نتیجہ قرار دیا ہے۔اس کے بعد انہوں نے اپنے زمانے کے مفسرین کو بہت پر سوز انداز میں یہ نصیحت کی ہے کہ وہ ان قدیم مفسرین کے طرز کو ہرگز اختیار نہ کریں کیونکہ اللہ تعالیٰ روز قامت ان سے مفسرین کے اقوال سے واقفیت سے متعلق سوال ہرگز نہیں کرے گا۔وہ صرف یہ پوچھے گا کہ اس کی کتاب کو انہوں نے کس حد تک سمجھا؟اس کے احکام و فرامین پر کتنا عمل کیا اور اس کے کتنے بندوں تک اس کا پیغام پیش کیا؟(۶۷)

شیخ محمد عبدہ کی تفسیر اور دیگر علمی سرمایوں میں عقلیت کے غلبہ اور تقلید سے اجتناب کی بکثرت مثالیں موجود ہیں۔بلکہ صحیح یہ بات ہے کہ تفکر و تعقل ان کی شخصیت کا جزء لاینفک اور ان کی تفسیر کا سب سے نمایاں پہلو ہے،اس کا صحیح اندازہ کرنے کے لئے ان کی عم پارہ کی مختصر ترین تفسیر کا مطالعہ کافی ہے۔جس میں انہوں نے جنت و جہنم، نفخ صور، لوح محفوظ اور

Marfat.com

کراما کاتبین پر جو کچھ لکھا ہے وہ قرآن کو دور جدید کے انسان کی عقل کے مطابق سمجھنے اور پیش کرنے کی کوشش ہے۔(٦٨) یہاں اس حقیقت کا اظہار بھی ضروری ہے کہ اس کوشش میں انہوں نے تفسیری روایات اور اقوال صحابہ کے علاوہ احادیث صحیحہ کا بھی انکار کیا ہے۔جو کسی طرح مناسب نہیں ہے۔

عربی زبان وادب اور اسلوب بلاغت

قرآن مجید چونکہ فصیح و بلیغ عربی زبان میں نازل ہوا اس لئے اس کو سمجھنے کے لیے عربی زبان پر قدرت و مہارت انتہائی ضروری ہے۔تمام مفسرین کی طرح شیخ محمد عبدہ نے بھی عربی زبان کی اہمیت وافادیت کو تسلیم کیا ہے۔وہ لکھتے ہیں۔

" نعم ان اكثر ما ذكر من وسائل فهم القرآن ،فنون العربية لا بد منها و اصطلاحات الاصول و قواعده الخاصة بالقرآن ضرورية ايضا. كقواعد النحو و المعانى و كذالك معرفة الكون و سنن الله فيه ، كل ذالك يعين على فهم القرآن " (٦٩)

"بلا شبہ مذکورہ بالا مباحث میں سے اکثر و بیشتر فہم قرآن کے ذرائع ہیں، عربی زبان کے تمام فنون اور عربی نحو وصرف، علم المعانی وغیرہ کے اصول اور ان کی مصطلحات سے واقفیت فہم قرآن کے لئے ضروری ہے۔اسی طرح کائنات اور اس میں کارفرما سنت الٰہی کا علم بھی ضروری ہے، یہ سب چیزیں فہم قرآن کے لئے مددگار ثابت ہوتی ہیں۔"

عربی زبان وادب کی اہمیت کے اعتراف کے باوجود شیخ محمد عبدہ نے اپنی تفسیر میں زبان و بلاغت سے متعلق مباحث کے تذکرہ میں حد سے زیادہ احتیاط سے کام لیا ہے۔کیونکہ انکے سامنے یہ بات واضح تھی کہ ان مباحث میں ضرورت سے زیادہ الجھ کر قدیم مفسرین نے قرآن کے بنیادی مقاصد کو نظر انداز کر دیا تھا۔یہ مقاصد ہی ان کے نزدیک سب سے زیادہ اہم ہیں اور ان کی توضیح کا عنصر تفسیر قرآن میں سب سے غالب ہونا چاہیے۔لیکن مختلف وجوہ واسباب کی بنا پر تفسیر کی اکثر کتابوں میں یہ عنصر دب گیا ہے۔ان میں سے ایک وجہ عربی گرامر اور بلاغت سے متعلق مسائل ہیں۔شیخ محمد عبدہ لکھتے ہیں۔

Marfat.com

" و من سوء حظ المسلمين ان اكثر ما كتب فى التفسير يشغل قارئه عن المقاصد العالية و الهداية السامية فمنها ما يشغله عن القرآن بمباحث الاعراب و قواعد النحو و نكت المعانى و مصطلحات البيان."(۷۰)

"یہ مسلمانوں کے لئے بہت بڑی بدقسمتی کی بات ہے کہ اکثر تفاسیر اپنے قارئین کو قرآن پاک کے بلند مقاصد اور ہدایت کے اعلیٰ مقام سے محروم کردیتی ہیں۔ قرآن سے غافل کردینے والی چیزوں میں اعراب، نحو، علم المعانی اور علم البیان کے نکات اور مصطلحات سے ضرورت سے زیادہ تعرض ہے۔"

محمد عبدہ عربی زبان وادب کو فہم قرآن کا ایک ذریعہ سمجھتے ہیں۔ اور تفسیر قرآن میں ان سے بقدر ضرورت کام لینے کے قائل ہیں۔ لیکن وہ یہ بات نہایت صراحت اور شدت سے بار بار دہراتے ہیں کہ ان سب چیزوں میں ان کی دلچسپی اور انہماک کا دائرہ محدود ہے۔ ان کی تفسیر میں انکے پیش نظر اصل مقصد قرآن کی روح انقلاب اور اعجاز کی وضاحت اور پیشکش ہوگی۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں:۔

" ويتبعه بلا ريب :بيان وجوه البلاغة بقدر ما يحتمله المعنى و تحقيق الاعراب على الوجه الذى يليق بفصاحة القرآن و بلاغته اى عند الحاجة الى ذلك كالمسائل التى عدواها مشكلة ، وربما نشير احياناً الى الاعراب من غير تصريح بعبارات النحو الاصطلاحية ، كما نفعل ذلك فى بعض نكت البلاغة او قواعد الاصول حتى لا تكون الاصطلاحات شاغلاً للقارى عن المعانى وصارفة له عن العبرة"(۷۱)

"اس کے بعد (یعنی قرآن مجید پر براہ راست غور و فکر اور اسکے مقاصد کی وضاحت) اقسام بلاغت کا بیان ہوگا لیکن یہ بیان بقدر گنجائش ہوگا۔ اسی طرح اعراب پر بھی گفتگو ہوگی۔ لیکن اس میں یہ امر پیش نظر رہے گا کہ یہ قرآن کی شان بلاغت کے مطابق ہو۔ گویا جب ضرورت ہوگی ہم مشکل مسائل سے تعرض کریں گے۔ ہم کبھی کبھی اعراب سے متعلق مسئلے پر بات کریں گے۔ بلاغت کے

Marfat.com

نکات اور دیگر علوم کے اصول و مبادی کی وضاحت میں ہمارا یہی طرز عمل ہو گا۔
ہمارا مقصود یہ ہے کہ فنی اصطلاحات ہمارے قارئین کو قرآن کے مفاہیم اور
مواعظ سے غافل نہ کر دیں۔"

"تفسیر قرآن کے مطلوبہ معیار" کی بحث میں یہ بتایا جا چکا ہے کہ شیخ محمد عبدہ ایک عمدہ تفسیر کے لئے پانچ شرائط کی موجودگی ضروری سمجھتے ہیں، ان میں پہلی دو کا تعلق عربی زبان ،اسلوب اور بلاغت سے ہے لیکن اہم بات یہ ہے کہ ان شرائط کو برتنے کے لئے بھی شیخ محمد عبدہ کے یہاں کچھ اصول و ضوابط ہیں۔ مفرد الفاظ کی تحقیق کے ضمن میں ان کا خیال ہے کہ مفسر کو سب سے پہلے عہد رسالت اور عہد جاہلیت کے کلام عرب کی طرف رجوع کرنا چاہیے۔ کیونکہ بہت سے الفاظ ایسے ہیں جو نزول قرآن کے وقت کسی اور معنی میں استعمال ہوتے تھے لیکن کچھ عرصہ کے بعد وہ دوسرے معانی میں استعمال ہونے لگے۔(۷۲)
ہمارے بعض مفسرین کرام نے اس حقیقت کو نظر انداز کر کے قرآنی الفاظ کی تشریحات میں بعد کے ادوار کے استعمالات کا خیال رکھا۔ جس کی وجہ سے وہ فکر و عقیدہ کی بڑی بڑی لغزشوں سے دوچار ہوئے۔ اس لئے وہ زور دے کر کہتے ہیں کہ فہم صحیح کیلئے ناگزیر ہے کہ ملت کے اندر بعد کے زمانوں میں رائج اصطلاحات اور قرآن مجید کے استعمالات میں دوری برقرار رکھی جائے۔ انہوں نے اس کی مثال میں لفظ "تاویل" پیش کیا ہے۔ اور بتایا ہے کہ قرآن کے اندر اور عہد نبوی میں اس کا معنی و مفہوم اس سے مختلف تھا جو تیسری صدی ہجری میں رائج ہو گیا۔
الفاظ کی تحقیق کے ضمن میں دوسری اہم رہنمائی انہوں نے یہ کی کہ جو الفاظ قرآن میں متعدد جگہوں پر استعمال ہوئے ان کو جمع کرنا چاہیے اور پھر اس کے معانی پر غور کرنا چاہیے۔ بسا اوقات اسے معلوم ہو گا کہ ایک لفظ خود قرآن مجید کے اندر کئی مختلف معانی میں استعمال ہوا ہے۔ ایسی شکل میں اس سے معنی مراد کے تعین میں آیت کے سیاق و سباق سے مدد ملے گی۔
اس کی مثال انہوں نے لفظ ہدایت سے دی ہے اور سورہ فاتحہ کی تفسیر میں اس پر گفتگو کر کے عملی رہنمائی بھی فراہم کر دی ہے۔(۷۳)

اسلوب اور بلاغت سے متعلق انکا خیال ہے کہ ایک مفسر کو ان فنون کے اصول و مبادی اور کی باریکیوں سے واقفیت ہونی چاہیے۔ یہ واقفیت فصیح و بلیغ عربی کلام کے مسلسل مطالعہ ،

Marfat.com

مشق و ممارست، زبان و بیان کے محاسن پر نظر اور معنی مراد سے آگہی سے شدید رغبت کے بعد حاصل ہو سکتی ہے۔ اگر یہ استعداد بہم پنچالی جائے تو اللہ تعالیٰ کے اعلیٰ وارفع کلام کے ہر پہلو کو سمجھنے کا دعویٰ تو نہیں کیا جاسکتا، لیکن بقدر استطاعت اور حسب لیاقت فہم کی مشکلات آسان ہوتی جائیں گی۔ شیخ محمد عبدہ نے اسلوب و بلاغت کے ذیل میں ایک انتہائی اہم اور نکتے کی بات یہ کہی ہے کہ ان دونوں میں اچھی استعداد کا حصول کتابوں کے مطالعہ اور ان سے استفادہ کے علاوہ آدمی کے اپنے ذوق اور ملکہ پر منحصر ہے۔(۷۴) کیونکہ عہد نبوت میں علوم و فنون کی تدوین کے نہ ہونے کی وجہ سے لوگ ان کی اصطلاحات اور اصول و مبادی سے واقف نہیں تھے۔ لیکن وہ زبان کا اتنا اچھا ذوق رکھتے تھے کہ قرآن جیسے فصیح و بلیغ کلام کی سماعت ہی ان کے دلوں پر جادو کی طرح اثر کرتی تھی۔ سیرت سرور عالم کا مطالعہ کیجئے تو کتنے ہی ایسے واقعات ملیں گے کہ عرب بدوؤں نے قرآن حکیم کی آیات سنی اور فوراً ایمان لائے۔ اس سلسلے میں شیخ محمد عبدہ نے ایک عرب دیہاتی لڑکی کا واقعہ بیان کیا جسے مشہور امام لغت الاصمعی نے کچھ اشعار گنگناتے ہوئے پایا تو اس کی فصاحت و بلاغت کی داد دی، اس لڑکی نے فوراً اس کے جواب میں قرآن مجید کی فصاحت و بلاغت کا حوالہ دیا اور یہ کہا کہ اس سے بہتر کلام کا تصور نہیں کیا جاسکتا۔ اس نے بطور استشہاد یہ آیت پڑھی۔(۷۵) "و اوحینا الی ام موسیٰ ان ارضعیه فاذاخفت علیه فالقیه فی الیم و لاتخافی ولا تحزنی ، انا رادوه الیك و جاعلوه من المرسلین " (۲۷:۷)

شیخ محمد عبدہ نے اپنی تفسیر میں عربی زبان و ادب سے متعلق مباحث میں اس امر کا خصوصی خیال رکھا ہے کہ قرآن کی عظمت اور وقار پر کوئی حرف نہ آئے۔ گویا قرآن مجید کو اصل کی حیثیت حاصل ہو اور دیگر علوم و فنون اس کے تابع ہوں، انہوں نے تفسیر کے اندر متعدد مقامات پر ان مفسرین کی سخت گرفت کی ہے، جو لغت و بلاغت کے مقررہ اصولوں کی روشنی میں قرآنی آیات کا جائزہ لیتے ہیں اور قرآن کو ان کے مطابق ڈھالنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اور اس راہ میں اگر انہیں کوئی دشواری پیش آتی ہے تو اسے ضرورت قافیہ یا تقاضائے تاکید وغیرہ کا نام دے کر ٹالنے کی کوشش کرتے ہیں۔ شیخ محمد عبدہ نے اس طرح کے مفسرین کی سرزنش کی ہے اور یہ اصولی موقف پیش کیا ہے کہ قرآن اللہ کا کلام ہے۔ وہ

Marfat.com

ہر چیز پر قادر ہے۔ ضرورت قافیہ، فاصلہ یا تاکید محض کا وجود اور ان کی رعایت انسانوں کے کلام میں ممکن ہے۔ خدا کے کلام میں ہر گز اس کی کوئی اہمیت نہیں۔ اس کا ہر لفظ انتہائی موزوں ہے اور اس میں زبان و بیان کی تمام تر رعنائیاں بدرجہ اتم موجود ہیں۔ ان کے ادراک کے لئے عقل سلیم اور ذوق لطیف کی ضرورت ہے،(۷۶)۔ شیخ محمد عبدہ کے اس موقف کی تفصیلات سورہ فاتحہ کی آیت " الرحمن الرحیم "(۷۷) اور سورہ بقرہ کی آیت "ان اللہ بالناس لرؤف رحیم "میں موجود ہیں۔(۷۸)

تفسیری روایات

کتب تفسیر کا مطالعہ کرنے والے اس حقیقت سے باخبر ہیں کہ ان کے اندر روایات کا ایک بڑا حصہ موجود ہے۔ یہ روایات زیادہ تر ان قصص و حکایات اور تاریخی مقامات سے متعلق ہیں جو انبیاء کرام یا سابقہ کتب کے تذکرہ کے ضمن میں قرآن حکیم میں مفصل یا مجمل طور سے موجود ہیں۔ ان کے علاوہ ایسی روایات کی تعداد بھی کچھ کم نہیں جن کے ذریعہ چند اشخاص یا مذہبی گروہوں نے اپنے مذہبی یا مسلکی خیالات کی تائید کی ہے۔ مزید یہ کہ آیت متشابہات کی تاویل اور قرآن کے مجمل بیانات کی توضیح کی بے جا خواہش نے بھی بعض مفسرین کو مفروضہ اور بے بنیاد روایات سے مدد لینے کے لئے راغب کیا۔ شیخ محمد عبدہ چونکہ تدبر و تفکر، حریت رائے اور اجتہاد کے علمبردار اور تقلید و اتباع کے مخالف تھے اس لئے انہوں نے اس طرح کی تمام کوششوں پر اظہار نکیر کیا ہے اور انہیں تسلیم کرنے یا ان سے استدلال کرنے سے صاف لفظوں میں منع کر دیا ہے۔ انہوں نے ان روایات کے پرکھنے کا ذریعہ بھی قرآنی تعلیمات کی روح سے ہم آہنگ عقل و فکر کو بتایا ہے۔ جو ان کے نزدیک دین میں خرافات و اوہام کی آمیزش کو قبول نہیں کر سکتی۔(۷۹)

یوں تو محمد عبدہ نے ہر طرح کی کمزور اور بے بنیاد روایات کی تردید کی ہے لیکن مقدار میں زیادہ ہونے کے سبب ان کی تنقید کا نشانہ سب سے زیادہ وہ روایات بنی ہیں جنہیں اسرائیلیات کے نام سے جانا جاتا ہے۔ یہ روایات زیادہ تر یہود و نصاریٰ اور ایران کے ملحدین کے ذریعہ نقل ہو کر آئی ہیں۔ اور تفصیل و اطناب کے دلدادہ مفسرین نے انہیں بغیر کسی تحقیق کے اپنی تفاسیر میں داخل کر لیا۔ شیخ محمد عبدہ نے اپنی تفسیر میں اس طرح کی روایات پر کوئی

Marfat.com

توجہ نہیں دی ہے اور ان سے مکمل اجتناب کیا ہے۔(۸۰)

ان کی تفسیر کا مطالعہ کرنے سے یہ حقیقت واضح ہوتی ہے کہ وہ تمام مقامات جہاں بیشتر مفسرین نے کئی کئی صفحات لکھ ڈالے ہیں، محمد عبدہ صرف چند سطور میں بعض اصولی باتیں کہہ کر گزر گئے ہیں۔ چنانچہ سورہ بقرہ کی آیت "واذ قلنا ادخلوا هذه القرية فكلوا منها حيث شئتم" میں انہوں نے گاؤں کی صراحت سے بالکل احتراز کیا ہے۔(۸۱) اسی طرح وہ آیت "فانزلنا على الذين ظلموا رجزا من السماء" کے بارے میں لکھتے ہیں:۔

"نسكت عن تعيين الرجز كما هو شأننا فى كل ما أبهمه القرآن"(۸۲)

"ہم "رجز" کی تعیین پر خاموشی اختیار کریں گے۔ ہمارا تمام مبہمات قرآن کے بارے میں یہی موقف ہے" اسی طرح سورہ البروج اور سورہ الفجر میں "اصحاب اخدود" اور "عاد ارم ذات العماد" کی تفسیر بیان کرتے ہوئے انہوں نے روایات سے بالکل تعرض نہیں کیا بلکہ اس کے علی الرغم ان پر تنقید کی ہے اور ایک اصولی موقف پیش کیا ہے۔(۸۳)

شیخ محمد عبدہ نے یہی موقف ان مفسرین کے بارے میں بھی اختیار کیا جنہوں نے شخصی اور مسلکی میلانات ورجحانات کے تحت قرآنی آیات کی من مانی تاویلیں کی ہیں اور اپنے مسلک کی حمایت میں ضعیف اور کمزور روایتوں کا سہارا لیا ہے۔ محمد عبدہ کے نزدیک شفاعت، زیارت قبور اور تکریم اہل بیت وغیرہ سے متعلق روایات اسی زمرہ میں داخل ہیں اور اس لائق نہیں ہیں کہ ان کی طرف توجہ دی جائے۔(۸۴)

انہوں نے آیات متشابہات کے بارے میں بھی حزم واحتیاط اور توقف کا موقف اختیار کیا۔ چنانچہ سورہ عبس کی آیت "وفاكهة و ابا" کے ضمن میں حضرت عمرؓ کا ایک قول نقل کر کے اس کی تشریح کی ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ کتاب کے اندر جو کچھ ہے اس کی تلاش و جستجو ہونی چاہیے اور اس سے باہر کی چیزوں کے چکر میں پڑنے سے احتیاط کرنی چاہیے۔ بحیثیت مومن ہماری یہی ذمہ داری ہے کہ ہم قرآن کو سمجھیں۔(۸۵)

شیخ محمد عبدہ نے حروف مقطعات کے بارے میں بھی یہی موقف اختیار کیا۔ وہ انہیں ان سورتوں کے نام قرار دیتے ہیں جن کے شروع میں یہ آئے ہیں۔ اس کے بعد وہ ان کی مزید تحقیق کی ضرورت محسوس نہیں کرتے۔ کیونکہ اس میں لغزش کا امکان ہوتا ہے۔ ان

Marfat.com

کے خیال میں صحابہ کرام کا بھی یہی موقف تھا۔(۸۶)

اسرائیلی روایات ہوں یا آیات متشابہات کے متعلق تاویلات ہوں یا ان دونوں کے علاوہ فلاسفہ، متکلمین، صوفیاء، فقہاء اور دیگر مذہبی جماعتوں کے استنباطات اور تخریجات ہوں، شیخ محمد عبدہ کا ان سب کے بارے میں مشترک خیال یہ ہے کہ یہ فہم قرآن کے تئیں جرأت بیجا اور تکلیف مالا یطاق ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کو ہدایت کے اعتبار سے مکمل شکل میں اتارا ہے۔ اس کو سمجھنے کے لئے اس کی اپنی توضیحات کافی ہیں، اس لئے مفسرین کرام کو کتاب الٰہی اور سنت نبوی پر اکتفا کرنا چاہیے تھا، اس کے مجمل اور متشابہ مقامات سے متعلق جزئیات کی تلاش میں سرگرداں نہیں ہونا چاہیے تھا۔ کیونکہ قرآن مجید نے انہیں اس کی ہدایت نہیں کی تھی اور نہ ہی یہ کتاب اللہ کے منشا کے مطابق تھا۔ اگر یہ تفصیلات قرآن مجید کی شان اور پیغام سے مطابقت رکھتیں تو سب سے پہلے خود قرآن میں مذکور ہوتیں۔ ورنہ کم از کم رسول کریم ان پر روشنی ڈالتے کیونکہ وہ شارح قرآن بھی تھے۔ اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ ہمارے مفسرین کی روایات سے دلچسپی اور انہماک کا محرک کتاب اللہ کی خدمت نہیں بلکہ ان کی اپنی پسند اور ترجیحات تھیں۔ جنکی تکمیل کے لئے انہوں نے غیب پر دست درازی کی، بے بنیاد روایات کا سہارا لیا حتی کہ وضع حدیث اور اسلاف کی طرف بے بنیاد باتوں کے انتساب کا جرم عظیم بھی کیا۔(۸۷)

رولیات کے بارے میں شیخ محمد عبدہ کے مذکورہ بالا سخت اور بے لچک موقف کی سب سے بڑی وجہ ان کا یہ خیال تھا کہ ان رولیات سے قرآن حکیم کی صاف ستھری تعلیمات کو ناقابل تلافی نقصان پہنچا اور یہ رولیات فہم قرآن کی راہ میں حجاب بن گئیں۔ چنانچہ تفسیر المنار کے مقدمہ میں وہ لکھتے ہیں:۔

(ترجمہ)" فلاسفہ اور متکلمین کے مجادلات، فقہاء اور علماء اصولیین کی تخریجات، صوفیاء اور علماء باطن کی تاویلات اور مذہبی و مسلکی فرقوں کے تعصبات اور باہمی اختلافات نے قرآن کریم کے پیغام اور دعوت سے لوگوں کو غافل کر دیا، پھر روایات کی کثرت اور اسرائیلی خرافات نے اس غفلت کو اور بڑھاوا دیا۔ امام رازی نے ایک نیا شوشہ چھوڑا۔ انہوں نے اپنی

Marfat.com

تفسیر میں وہ تمام نئے علوم جیسے ریاضی، طبعیات، ہیئت اور فلکیات وغیرہ
داخل کردئے جن سے عہد نزول کے وقت عرب معاشرہ بالکل ناواقف
تھا۔ نتیجۃً یہ سب چیزیں فہم قرآن کے لئے رکاوٹ بن گئیں۔"(۸۸)

روایات کی طرح آیات متشابہات کے بارے میں بھی انہوں نے اپنے سخت موقف کی تائید میں مضبوط دلائل دئے ہیں۔ جن کا خلاصہ یہ ہے کہ قرآن کی متشابہ اور مجمل آیات سے متعلق کتب تفسیر کے اندر موجود تفصیلات غیر ضروری اور بے بنیاد ہیں۔ ہم اس کے مکلف نہیں۔ اس لئے ان سے اجتناب کرنا چاہیے۔ ہمیں اس بات پر ایمان لانا چاہیئے کہ ان کا صحیح علم اللہ تعالیٰ کو حاصل ہے اگر وہ چاہتا تو ہمیں ضرور ان تفصیلات سے آگاہ کرتا۔(۸۹)

احادیث صحیحہ اور محمد عبدہ

تفسیر قرآن میں روایات کا ایک حصہ احادیث نبوی، اقوال صحابہ اور اقوال تابعین پر مشتمل ہے۔ شیخ محمد عبدہ انہیں قبول کرنے میں بھی حزم و احتیاط سے کام لیتے ہیں۔ انکے شاگرد علامہ رشید رضا نے مقدمہ تفسیر المنار میں احادیث کے بارے میں انکے موقف کی وضاحت کی ہے اور یہ بتایا ہے کہ ان کا موقف علامہ ابن تیمیہ اور امام احمد بن حنبل کے موقف سے قریب ہے۔ ان کی طویل بحث کا خلاصہ سطور ذیل میں پیش کیا جارہا ہے:۔

"نبی کریمؐ، صحابہ کرام اور تابعین عظام سے جو روایات نقل کی جاتی ہیں وہ ہمارے نزدیک بہت اہم ہیں۔ ہم ان کی صحت کی تصدیق کے بعد ان سے استدلال کریں گے، خاص طور سے وہ روایات جن میں ہدایت و موعظت کے عمدہ نکات بیان کئے گئے ہیں۔ اور عہد نزول قرآن کی تصویر کشی کی گئی ہے۔ وہ ہمارے بہت کام کی ہیں۔ لیکن ان روایات سے متعلق ایک بڑی مشکل یہ ہے کہ ان میں سے بہت سی موضوع ہیں۔ اور یہود و نصاریٰ اور مجوسیوں کی سازشوں کے نتیجہ میں ذخیرہ تفسیر میں داخل ہوگئی ہیں۔ ظاہر ہے ان روایات کو ہم قبول نہیں کرسکتے اس باب میں ہم امام ابن تیمیہ اور احمد بن حنبل کے خیالات کی تائید کرتے ہیں۔

امام ابن تیمیہ نے تفسیری روایات کے اختلاف وغیرہ پر بحث کرنے کے

Marfat.com

بعد یہ لکھا ہے کہ وہ صرف صحیح احادیث کو قبول کرنے کے حق میں ہیں ۔ اسرائیلی روایات کے سلسلے میں وہ احتیاط کے قائل ہیں۔ تابعین اور تبع تابعین کے اقوال کے سلسلے میں بھی وہ توقف سے کام لیں گے۔ ان کے بالمقابل صحابہ کرام کی طرف منسوب اقوال کو وہ غور سے دیکھیں گے اور نبی کریم سے براہ راست استفادہ کے امکان سے وہ انہیں قبول بھی کر لیں گے۔ امام ابن تیمیہ کے علاوہ امام احمد بن حنبل بھی روایات کے سلسلے میں ہمارے موقف کی تائید کی ہے۔ وہ فرمایا کرتے تھے۔ "تین چیزوں کی کی کوئی اصل نہیں ، تفسیر، ملاحم اور مغازی"۔

"مذکورہ بالا دونوں جلیل القدر علماء اسرائیلی روایات کی تردید اور ان سے عدم استدلال پر متفق ہیں خواہ وہ روایات جیسا کہ علامہ ابن تیمیہ کے بیان میں صراحت ہے کہ کعب الاحبار اور وھب بن منبہ جیسے ثقہ حضرات سے مروی ہوں۔ تابعین کی روایتوں کے بارے میں بھی ابن تیمیہ جیسے عالم توقف اختیار کرتے ہیں۔ اور صحابہ کرام کی روایات کو بھی یکلخت قبول نہیں کرتے۔ یہ الگ بات ہے کہ وہ تابعین کے بالمقابل صحابہ کے اقوال کی قبولیت کی طرف زیادہ مائل ہیں۔ اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ بعض علماء کی یہ رائے کہ صحابہ کرام کی مرویات کا حکم حدیث مرفوع کا ہے اور انہیں بلا تحقیق تسلیم کرنا چاہیے، محل نظر ہے۔"(۹۰)

شیخ محمد عبدہ کے تفسیری افکار پر ایک نظر ڈالنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ہر وہ چیز جو فہم قرآن کی راہ میں مانع ہو ان کے نزدیک نا قابل اعتناء ہے۔ وہ مقدمہ المنار میں لکھتے ہیں:۔

(وغرضنا من هذا كله ان اكثر ما روى فى التفسير المأثور او كثيره، حجاب على القرآن و شاغل لتاليه عن مقاصده العالية المزكية للانفس المنورة للعقول.)"

"ان سب تفصیلات کے بیان کرنے سے مقصود یہ بتانا ہے کہ تفسیر ماثور کا اکثر و بیشتر حصہ قرآن کے لئے حجاب ہے اور اس کی تلاوت کرنے والے کو

Marfat.com

ان بلند مقاصد سے غافل کردیتا ہے جن سے نفس کو تزکیہ اور عقل کو روشنی حاصل ہوتی ہے۔"(۹۱)

انہوں نے حدیث کے بارے میں اپنے مذکورہ موقف کا اظہار ان آیات کی تفسیر کے ذیل میں خاص طور سے کیا ہے۔ جن کے زمانہ نزول کے حوالہ سے بکثرت روایات کتب تفسیر میں موجود ہیں۔ چنانچہ سورہ الکوثر میں "کوثر" سے اکثر مفسرین نے جنت کی ایک نہر مراد لیا ہے۔ اور اس کی تائید میں احادیث پیش کی ہیں۔ شیخ محمد عبدہ اس سے رسالت مراد لیتے ہیں جس کا فیضان تا قیامت جاری رہے گا۔ پھر انہوں نے متعلقہ احادیث پر گفتگو کی ہے اور یہ بتایا ہے کہ کثرت کے باوجود یہ احادیث تواتر کی شرط پر پوری نہیں اترتیں۔ دوسری طرف چونکہ ان روایات میں نبی کریمؐ کے غیر معمولی اعزاز و اکرام کی بات کی گئی ہے اس لئے ہمارے محدثین اور مفسرین نے عقیدت کے غلبہ کی وجہ سے ان کی صحت پر بہت زیادہ کلام نہیں کیا اور یہ چیز تواتر کے لئے مانع ہے کیونکہ اس کی ایک اہم شرط رواۃ کا طرفداری اور تعصب سے پاک ہونا ہے۔(۹۲)

اسی طرح انہوں نے تفسیر "الفلق" میں سحر سے متعلق تمام روایات کو رد کردیا ہے اور انہیں شان نبوت کے منافی قرار دیا ہے۔ انہوں نے اس بات پر تعجب کا اظہار کیا کہ جس سحر کی قرآن کریم نے ایک سے زائد آیات میں تردید کی ہے، ہمارے مفسرین نے اس سورہ میں روایات پر انحصار کر کے حضور کریمؐ کی ذات گرامی پر اس سحر کے اثرات کے وقوع پزیر ہونے کی تصدیق کردی۔ یہ نبی آخر الزماں پر کھلا ہوا الزام ہے اور ان کی معصومیت کے خلاف ایک چیلنج ہے۔ اس لئے بخاری جیسی صحیح کتاب میں سحر سے متعلق ان روایات کی موجودگی کے باوجود انھوں نے ان کی صداقت اور صحت کو تسلیم کرنے سے انکار کردیا۔ ان کے نزدیک آیت "من شر غاسق اذا وقب و من شر النفاثات فی العقد" سے مراد چغل خور اور تعلقات کو خراب کرنے والے لوگ ہیں۔ گویا انہوں نے الفاظ کی روشنی میں ان آیات کا معنی متعین کیا اور روایات سے کوئی سروکار نہیں رکھا۔(۹۳)

تفسیر سورہ الفلق میں سحر سے متعلق روایات کا انکار کرتے ہوئے انہوں نے بعض ایسی باتیں کہی ہیں جو انتہائی اہم اور اصولی نوعیت کی ہیں اور جن کی مدد سے ہمیں حدیث کے

Marfat.com

بارے میں ان کے موقف کو سمجھنے میں کافی مدد ملتی ہے وہ لکھتے ہیں:

"یہ ایک واجب التسلیم حقیقت ہے کہ قرآن کریم میں بیان کردہ حقائق قطعی اور حتمی ہیں۔ یہ کتاب نبی کریم سے بتواتر منقول ہے جس بات کو یہ کتاب تسلیم کرے وہ واجب الاعتقاد ہے اور جس کی نفی کرے اس کا انکار لازم ہے۔ یہ بات ہم سب کو معلوم ہے کہ قرآن کرین نے نبی معصومؐ سے سحر کی نفی کی ہے اور کفار کے اس قول پر کہ "آپ مسحور ہیں" اس نے گرفت کی ہے اور برے انجام سے آگاہ کیا ہے۔ اب اگر کسی حدیث میں اس سحر کے آپ کی ذات پر اثرات اور اس کی موجودگی کا تذکرہ اور اثبات ہو تو ہم اس حدیث یا احادیث کو کیسے صحیح مان لیں؟ اس لئے کہ ہمارا یہ موقف ہے کہ عقائد کے باب میں اخبار آحاد سے احتجاج نہیں کیا جاسکتا۔ اس اصول کی روشنی میں مذکورہ حدیث صحیح ہونے کے باوجود نا قابل احتجاج ہے۔ چونکہ نبی کریم کا سحر کی تاثیر سے محفوظ رہنا اسلامی عقائد میں سے ایک ضروری عقیدہ ہے اس لئے اس ضمن میں ظنی دلیل کافی نہیں۔ مزید براں خبر واحد سے ظنی علم اس وقت حاصل ہوتا ہے جب اس کی صحت ثابت ہو جائے۔ غیر صحیح ہونے کی صورت میں تو خبر واحد مفید ظن بھی نہیں ہوتی۔" (۹۴)

مذکورہ بالا مباحث اور بعض دوسرے حوالوں کی روشنی میں یہ نتیجہ اخذ کیا جاسکتا ہے کہ شیخ محمد عبدہ کے نزدیک "قرآن کی تفسیر قرآن کے استعمالات اور عقل سلیم کی روشنی میں کی جائے" قرآن فہمی کا رہنما اصول ہے اس کے بعد صحیح احادیث کا نمبر ہے۔ لیکن وہ صرف ان ہی روایات کو قبول کرتے ہیں جو سند کے لحاظ سے صحیح ہونے کے علاوہ قرآن اور اسلام کی بنیادی تعلیمات اور تصورات سے مطابقت رکھتی ہوں۔ ان کا استدلال یہ ہے کہ قرآن کی حیثیت خبر قطعی اور متواتر کی ہے جبکہ احادیث کی حیثیت خبر ظنی اور غیر متواتر کی ہے۔ اس لئے خبر قطعی اور متواتر کو خبر ظنی اور غیر متواتر پر ترجیح نہیں دی جاسکتی۔ یہاں اس امر کی وضاحت بھی مناسب معلوم ہوتی ہے کہ شیخ محمد عبدہ کے یہاں تواتر کی شرط صرف قرآن کے

Marfat.com

باب میں پوری ہوئی ہے۔اور کوئی حدیث اس شرط کو پورا نہیں کرتی۔(۹۵)

اخلاقی اور معاشرتی مسائل

شیخ محمد عبدہ ایک ممتاز مفکر اور عظیم مصلح تھے۔وہ مصر اور عالم اسلام کی اخلاقی و معاشرتی زبوں حالی پر انتہائی ملول اور اسے اس حالت زار سے نجات دلانے کے لے کوشاں و سرگرداں تھے۔اس مقصد کے لئے انہوں نے ملک و ملت کے حالات کا گہرا مطالعہ کیا تھا اور اپنی معلومات میں وسعت اور کوششوں کو بامراد بنانے کیلئے یورپ کا سفر بھی کیا تھا اور اسلامی لٹریچر کے علاوہ مغربی مصنفین کی تالیفات سے استفادہ کیا تھا۔ان تمام کاوشوں کا مقصود اور محرک اصلاح و تجدید کے مشن کو کامیابی سے ہمکنار کرنا تھا کیونکہ یہ مشن انہیں ان کی زندگی سے زیادہ عزیز تھا۔(۹۶) ظاہر ہے ایسا شخص فطری طور سے اپنی بات کو دوسروں تک منتقل کرنے کے لیے ہمہ آن بے چین رہتا ہے اور اس کیلئے کوئی مناسب موقعہ ضائع کرنا ناممکن ہوتا ہے۔ شیخ محمد عبدہ کا یہی حال تھا۔اس کی تائید و تصدیق کے لئے ان کی تفسیر کا مطالعہ کافی ہے۔(۹۷)

نزول قرآن مجید کی ایک اہم غرض و غایت انسان کا تزکیہ اور معاشرہ کی صحیح خطوط کے مطابق تعمیر و تشکیل تھی۔اس مقصد کے تحت قرآن پاک میں اخلاقی اصول و ضوابط اور معاشرتی اقدار و اساسیات کا جامع تعارف پیش کیا گیا اور فرد و معاشرہ کو ان کی تعمیل اور ان سے آراستہ ہونے کی ہدایت کی گئی ہے۔قرآن نے صرف اسی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ اس سے آگے بڑھ کر تاریخ انسانی سے مختلف اقوام اور اشخاص کی مثالیں پیش کر کے تزکیہ و تربیت کے عمل سے گزرنے کی ترغیب دلائی ہے اور انحراف کی شکل میں انجام بد سے دوچار ہونے کی وعید سنائی۔(۹۸)

شیخ محمد عبدہ قرآن مجید کے اندر اصلاح و تربیت سے متعلق آیات پر کچھ دیر ضرور ٹھہرتے اور ان کی وضاحت قدرے تفصیل سے کرتے تھے۔ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جیسے وہ موقع کی تلاش میں تھے اور اسے پالینے کے بعد اسے ضائع کرنا بڑی حرماں نصیبی تصور کرتے تھے۔شیخ کا معمول تھا کہ وہ متعلقہ آیات کے مفہوم و مدعا کی وضاحت کے ساتھ امت مسلمہ پر ان کے انطباق اور اس کی روشنی میں امت کے احوال کا جائزہ اور مناسب رہنمائی کا کام بھی کرتے تھے۔اس لئے اخلاقی و معاشرتی امراض کی تشخیص اور علاج کے تعین کے ضمن میں ان کی تفسیر کو بہت زیادہ اہمیت حاصل ہے۔(۹۹) اس کا اصل اندازہ تو ان کی تفسیر کے مطالعہ

Marfat.com

سے ہوگا لیکن یہاں چند مثالیں بطور نمونہ پیش کی جارہی ہیں۔

سورہ " و العصر "کی آیت " وتواصوا بالصبر "کی تفسیر میں انہوں نے سب سے پہلے صبر کا معنی بتایا ہے۔اس کے بعد مسلم معاشرہ کے زوال اور بدحالی کا ذکر کرتے ہوئے اس کا اصل سبب صبر کا فقدان قرار دیا ہے،اور یہ زور دیکر کہا ہے کہ اگر مسلم عوام اور مسلم سماج اپنی اصلاح کا متمنی ہے اور ترقی کی راہ پر چلنے کا خواہاں ہے تو اسے اخلاق عالیہ کے سرچشمہ "صبر" سے متصف ہونا ہوگا۔اس ضمن میں انہوں نے علماء کرام اور اساتذہ و طلبہ کی ذمہ داریاں یاد دلائیں اور انہیں ان ذرائع و وسائل کی تحصیل اور استعمال کے لئے آمادہ کیا جو ادائیگی فرض کیلئے ضروری ہیں (۱۰۰)

اسی طرح انہوں نے سورہ " الانفطار "کی آیت " إن الابرار لفی نعیم "کی تشریح بھی بہت تفصیل سے کی ہے۔ان کے نزدیک نیکوکار وہ شخص ہے جس کی شخصیت اور مال و دولت سے دوسروں کو فائدہ پہنچے۔اس کے برعکس وہ شخص جو عبادات کا پابند ہو لیکن اس کی شخصیت اور دولت سے دوسروں کو فائدہ نہ پہنچ رہا ہو وہ نیکوکار نہیں بلکہ اس بات کا اندیشہ ہے کہ بعض حالات میں اس کا شمار فجار میں نہ ہو جائے۔(۱۰۱)

چنانچہ وہ سورہ " الماعون "کی آیت " ولا یحض علی طعام المسکین "کی تشریح میں لکھتے ہیں کہ اس آیت میں دین دار لوگوں کو فقیروں اور محتاجوں کی اعانت پر ابھارا گیا ہے۔خواہ یہ اعانت دوسروں سے چندہ جمع کر کے کی جائے جیسا کہ رفاہی اور فلاحی انجمنوں کا طریقہ کار ہے۔اس طرح کی تمام کوششوں کی بنیاد قرآن حکیم کی اس آیت میں موجود ہے۔(۱۰۲)

شیخ محمد عبدہ کی تفسیر میں اس طرح کی بکثرت مثالیں موجود ہیں بلکہ صحیح بات یہ ہے کہ یہ ان کی تفسیر کا بہت نمایاں پہلو ہے۔اس کا اعتراف ان تمام لوگوں نے کیا ہے جو ان کی فکر سے آگاہ تھے اور ان کی تصانیف سے مستفید ہوئے تھے۔ڈاکٹر محمد بن لطفی الصباغ لکھتے ہیں:۔

"نهج فی تفسیره منهجا ادبیا اجتماعیا فکان یکشف عن بلاغة القرآن باسلوب مشرق جذاب و یعالج مشاکل المسلمین بما یرشد الیه القرآن و یتعرض الی سنن الله الکونیة فیبینها و یبین ان القرآن متمش مع هذه السنن لا یصادمها لانها من مستلزمات

Marfat.com

الفطرة" (۱۰۳)

انہوں نے اپنی تفسیر میں ایک ادبی اور معاشرتی نہج اختیار کیا تھا چنانچہ وہ قرآن کی فصاحت و بلاغت کو انتہائی دلکش اور جاذب نظر اسلوب میں پیش کرتے تھے اور قرآن کی ہدایت کے مطابق مسلمانوں کے مسائل کا حل پیش کرتے تھے۔ وہ کائنات میں کارفرما اللہ تعالیٰ کے قوانین اور سنت کا حوالہ دیتے تھے۔ اور انکی تشریح کرتے تھے۔ نیز یہ بتاتے تھے کہ قرآن ان قوانین فطرت سے ہم آہنگ ہے۔ اس کا ان سے کوئی تصادم نہیں۔

ڈاکٹر محمد عثمان امین نے جو شیخ محمد عبدہ کی شخصیت اور فکر کے ایک بڑے شارح تسلیم کئے جاتے ہیں۔ اس موضوع پر ایک عمدہ بحث کی ہے۔ اس کی آخری سطور کا ترجمہ درج ذیل ہے۔

"ہمارے نزدیک ان کی تفسیر کا یک نادر وصف یہ ہے کہ وہ مصری معاشرے کی اصلاح کا ایک موثر ذریعہ ہے۔ یہ تفسیر خالص اخلاقی روح سے مملو اور اسی کے ساتھ عصری مذاق اور اس کے تقاضوں سے ہم آہنگ ہے"۔ (۱۰۴)

جدید علمی اور سائنسی نظریات

شیخ محمد عبدہ نے قرآن مجید کی بعض آیات کی تشریح سائنس کے جدید نظریات کی روشنی میں کی ہے۔ دراصل وہ قرآن مجید کو علوم و فنون کا خزانہ اور سرچشمہ سمجھتے ہیں۔ اور یہ یقین رکھتے ہیں کہ انسان علمی و فکری اعتبار سے خواہ کتنا ہی ترقی یافتہ ہو جائے، قرآن پاک کی ہدایت سے بے نیاز نہیں ہو سکتا۔ دوسرے الفاظ میں اسے یوں بھی کہا جا سکتا ہے کہ ان کے نزدیک قرآن مجید جدید سائنسی علوم اور ترقیات سے متصادم نہیں بلکہ ان کا حامی اور معاون ہے۔ (۱۰۵) اگر قرآن پاک میں کسی جگہ جدید علوم سے ٹکراؤ یا تصادم نظر آتا ہے تو اس میں اس کا قصور نہیں بلکہ اس فرد کی نگاہ کا قصور ہے جو فہم قرآن کا خواہاں ہے۔

شیخ محمد عبدہ نے اپنی تفسیر میں مذکورہ بالا اصول کو پیش نظر رکھا ہے۔ اس کے تحت انہوں نے ایک طرف قرآن مجید کی بعض آیات کی تشریح جدید معلومات کی روشنی میں کی ہے تو دوسری طرف بعض ایسی آیات کی نئی تاویل پیش کی ہے جن کی تفہیم عصر حاضر کے عقلیت پسند انسان کے لئے مشکل ہو رہی تھی۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ ان کی طرف سے

Marfat.com

اس طرح کی تمام کوششیں نیک نیتی اور اخلاص پر مبنی تھیں۔ وہ قرآن مجید کو متعارف اور اس کی دعوت کو عام کرنا چاہتے تھے۔ وہ اپنے مقصد میں کس قدر کامیاب ہوئے اس کا صحیح اندازہ ان کے مجموعہ تفاسیر کے مطالعہ کے بعد ہی کیا جاسکتا ہے۔ (۱۰۶) یہاں ان کے نہج تفسیر کی وضاحت کے لئے چند مثالیں پیش کی جاتی ہیں۔

وہ " واذا السماء انشقت" کی تفسیر بیان کرتے ہوئے لکھتے ہی کہ انشقاق کے معنی پھٹ جانے کے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ اس دنیا کو ختم کرنا چاہے گا تو سب سے پہلے آسمان پھٹ جائے گا اور اس میں جو ترکیب پائی جاتی ہے وہ باقی نہ رہے گی۔ اس کا پورا نظام بکھر جائے گا۔ یہ صورت کسی عظیم حادثہ کے رونما ہونے سے بھی پیش آسکتی ہے۔ مثلاً ایک سیارہ چلتے چلتے دوسرے سیارہ کے قریب پہنچ جائے اور اس طرح دونوں کا تصادم ہو جائے۔ اس کے نتیجہ میں سورج کا نظام درہم برہم ہو جائیگا اور فضا میں چاروں طرف مختلف ٹکڑیوں میں بادل چھا جائے گا۔ اس کے بعد آسمان کا نظام بھی باقی نہ رہے گا۔ (۱۰۷)

سورہ فیل کی آیت " وارسل علیھم طیرا ابابیل" کی تفسیر میں وہ کہتے ہیں کہ اصحاب فیل کی ھلاکت کا سبب چیچک کا مرض تھا اور یہ بیماری ان سنگ ریزوں کے ذریعہ پھیلی تھی جنہیں مکھی یا مچھر کے قبیل کے پرندوں نے لشکر پر پھینکا تھا۔ گویا پتھر یا مٹی کے ان ذرات میں بعض امراض مثلاً چیچک، خسرہ وغیرہ کے جراثیم تھے، انہوں نے اپنی رائے کی تائید میں عکرمہ اور یعقوب بن عتبہ کی وہ روایت بھی پیش کی ہے جس میں صراحت ہے کہ عربوں نے چیچک اور خسرہ کی بیماری کا سب سے پہلا مشاہدہ "عام الفیل" میں کیا تھا۔ (۱۰۸)

اسی طرح سورہ بقرہ کی آیت " او کصیب من السماء فیه ظلمات و رعد و برق" کی تشریح میں انہوں نے بہت سی جدید سائنسی ایجادات مثلاً ٹیلیفون اور ٹیلیگرام وغیرہ کا تذکرہ کیا ہے۔ اور اس امر پر تعجب کا اظہار کیا ہے کہ مسلمان ان سے تبلیغ کا کام نہیں لیتے۔ (۱۰۹)

جدید نظریات سے استفاہ اور غور فکر کی صلاحیت کے آزادانہ استعمال کی حوصلہ افزائی کی ایک مثال سورہ بقرہ کی آیت "واذا قلنا للملائکة اسجدوا لآدم فسجدو ا الا ابلیس" کی تفسیر میں بعض مفسرین کی ایک رائے کے تذکرہ اور اس کی خاموش حمایت میں ملتی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ اس مین "ملائکۃ" سے مراد وہ تمام روحانی قوتیں ہیں جو اس دنیا کے اندر

Marfat.com

موجود مخلوقات کے اندر الگ الگ ودیعت کی گئی ہیں اور جن پر اس دنیا کا نظام قائم ہے۔ اور آدم سے مراد ایک ایسی نسل کی تخلیق ہے جو تمام مخلوقات سے برتر ہو گی اور سجدہ کرنے سے مراد ان ارواح و قویٰ کو اس نئی قوت اور مخلوق کے سامنے سرنگوں ہونے اور اسکی تابعداری کرنے کا فیصلہ ہے۔ جس کے مطابق تیار ہونے والی نئی مخلوق پہلے سے موجود تمام مخلوقات کو مسخر کرے گی اور ان کی قوتوں اور صلاحیتوں سے زمین کی تعمیر و ترقی کا کام لے گی اور ابلیس کے سجدہ نہ کرنے سے مراد کائنات میں موجود ایک قوت کی عدم تسخیر کی طرف اشارہ ہے۔ یہ قوت اس کائنات کا جزو لاینفک ہے۔ یہ وہ قوت ہے جو کامل کو ناقص اور ہدایت یافتہ کو گمراہ کر دیتی ہے۔ یہی قوت ہے جو انسان کو اس کی صلاحیتوں کے استعمال سے روکتی ہے اور اسے خلافت کے مقام تک پہنچنے کے لئے ہر ممکن طور سے مزاحمت کرتی ہے۔(۱۱۰)

مفسرین کا یہ گروہ گویا قصہ آدم و ابلیس کو ایک تمثیلی واقعہ مانتا ہے ،ان کے اس موقف کی تائید قرآن کے سیاق و سباق اور الفاظ وغیرہ سے بالکل نہیں ہوتی۔ اس کا اندازہ ہر اس شخص کو ہو سکتا ہے جو قرآن پر غور و فکر کا عادی ہو۔

مراجع و مآخذ

۱۔ استاذ مصطفیٰ عبدالرزاق، سوانح مصنف "دروس من القرآن الکریم" دارالہلال مصر (ب۔ت) ص ۲۰۔۲۱

۲۔ ڈاکٹر عثمان امین، رائد الفکر المصری الامام محمد عبدہ۔ مکتبۃ النہضۃ المصریۃ قاہرہ۔ ۱۹۵۵ء ص ۱۹

۳۔ احمد امین، زعماء الاصلاح فی العصر الحدیث ،مکتبۃ النہضۃ المصریۃ قاہرہ۔ ۱۹۶۵ء، ص ۲۸۲۔۲۸۳

۴۔ استاذ مصطفیٰ عبدالرزاق، سوانح مصنف "دروس من القرآن الکریم" ص ۲۵

۵۔ ڈاکٹر عثمان امین، رائد الفکر المصری۔ ص ۲۰

۶۔ استاذ مصطفیٰ عبدالرزاق، سوانح مصنف "دروس من القرآن الکریم" ص ۲۷

Marfat.com

۷۔ احمد امین، زعماء الاصلاح فی العصر الحدیث۔ ص ۲۸۵۔۲۹۰

۸۔ ایضاً ص ۲۹۰۔۲۹۱

۹۔ استاذ مصطفیٰ عبدالرزاق، سوانح مصنف "دروس من القرآن الکریم"، ص ۲۸۔۲۹

۱۰۔ ایضاً ص ۲۹۔۳۰

۱۱۔ عمر الدسوقی، فی الادب الحدیث، جلد اول، دار الفکر العربی طبع ہشتم، ۱۹۷۰ء ص ۲۸۳۔۲۸۵

۱۲۔ استاذ مصطفیٰ عبدالرزاق، سوانح مصنف "دروس من القرآن الکریم"، ص ۳۳

۱۳۔ عمر الدسوقی، فی الادب الحدیث ص ۲۸۵

۱۴۔ استاذ مصطفیٰ عبدالرزاق، سوانح مصنف "دروس من القرآن الکریم"، ص ۳۴

۱۵۔ ڈاکٹر عثمان امین، رائد الفکر المصری، ص ۲۹

۱۶۔ عمر الدسوقی، فی الادب الحدیث، ص ۲۹۰۔۲۹۲

۱۷۔ رشید رضا، مقدمہ تفسیر المنار، جلد اول، دار المنار مصر، طبع چہارم، ۱۳۷۳ھ، ص ۱۱

۱۸۔ ڈاکٹر عثمان امین، رائد الفکر المصری، ص ۳۲۔۳۳

۱۹۔ احمد امین، زعماء الاصلاح فی العصر الحدیث، ص ۳۰۷۔۳۰۸

۲۰۔ عمر الدسوقی، فی الادب الحدیث، ص ۲۹۳۔۲۹۴

۲۱۔ شیخ مصطفیٰ عبدالرزاق، سوانح مصنف "دروس من القرآن الکریم"، ص ۳۸

۲۲۔ احمد امین، زعماء الاصلاح فی العصر الحدیث، ص ۳۱۵

۲۳۔ عمر الدسوقی، فی الادب الحدیث، ص ۲۹۵۔۲۹۷

۲۴۔ شیخ مصطفیٰ عبدالرزاق، سوانح مصنف "دروس من القرآن الکریم"، ص ۲۹

۲۵۔ عمر الدسوقی، فی الادب الحدیث، ص ۲۹۷

۲۶۔ ڈاکٹر عثمان امین، رائد الفکر المصری، ص ۳۷۔۳۸

۲۷۔ ایضاً ص ۳۹۔۴۰

۲۸۔ عمر الدسوقی، فی الادب الحدیث، ص ۳۰۱

۲۹۔ رشید رضا، مقدمہ تفسیر المنار جلد اول، دار المنار مصر طبع چہارم، ۱۳۷۳ھ، ص ۱۲۔۱۳

۳۰۔ ایضاً ص ۱۲

Marfat.com

۳۱ محمد عبدہ تفسیر جزء عم، مطابع الشعب قاہرہ، طبع پنجم، ب ت

۳۲، ڈاکٹر محمد حسین الذہبی، التفسیر والمفسرون، جلد دوم، دار الکتب الحدیثۃ (بدون مقام) طبع دوم، ۱۹۷۶ء، ص ۵۵۲۔

۳۳۔ محمد عبدہ، تفسیر سورہ العصر، مطبعۃ المنار، ۱۳۳۰ھ، ص ۴

۳۴۔ محمد عبدہ، دروس من القرآن الکریم، دار الہلال مصر، ب۔ت، مقدمہ ص ۷۔۱۹

۳۵۔ رشید رضا، مقدمہ تفسیر المنار، ج اول ص ۱۴

۳۶۔ ایضاً ص ۱۴

۳۷۔ ڈاکٹر محمد عثمان امین، رائد الفکر المصری، ص ۱۰۱

۳۸۔ رشید رضا، مقدمہ تفسیر المنار ص ۱۴۔۱۵

۳۹۔ ایضاً ص ۱۴۔

۴۰۔ احمد امین، زعماء الاصلاح فی العصر الحدیث ص ۳۲۹

۴۱۔ رشید رضا، مقدمہ تفسیر المنار، ص ۵۔۷

۴۲۔ ایضاً ص ۲۵۔۳۰

۴۳۔ ایضاً ص ۲۸۔۲۹

۴۴۔ ایضاً ص ۱۹۔۲۰

۴۵۔ ایضاً ص ۱۷

۴۶۔ ایضاً ص ۱۸۔۱۹

۴۷۔ ایضاً ص ۲۵۔۲۶

۴۸۔ ایضاً ص ۲۱۔۲۴

۴۹۔ ڈاکٹر محمد حسین الذہبی، التفسیر والمفسرون، ص ۶۸۴۔۶۸۷

۵۰۔ مقدمہ تفسیر المنار، ص ۲۱۔۲۲

۵۱۔ ڈاکٹر عثمان امین، رائد الفکر المصری، ص ۱۴۸۔۱۴۹

۵۲۔ محمد عبدہ تفسیر جزء عم، ص ۲۷

۵۳۔ مقدمہ تفسیر المنار، ص ۳۸

۵۴۔ محمد عبدہ، دروس من القرآن الکریم، ص ۴۸۔۵۲

Marfat.com

۵۵۔ رشید رضا، تفسیر المنار، جلد اول ص ۱۰۵

۵۶۔ ڈاکٹر عثمان امین، رائد الفکر المصری، ص ۱۵۳۔۱۵۴

۵۷۔ محمد عبدہ، دروس من القرآن الکریم ص ۷۹۔۸۰

۵۸۔ ڈاکٹر عثمان امین، رائد الفکر المصری، ص ۱۴۹۔۱۵۰

۵۹۔ ایضاً ص ۱۵۰

۶۰۔ احمد امین، زعماء الاصلاح فی العصر الحدیث، ص ۳۲۷

۶۱۔ مقدمہ تفسیر المنار، ص ۲۷

۶۲۔ ڈاکٹر عثمان امین، رائد الفکر المصری، ص ۱۴۸

۶۳۔ مقدمہ تفسیر المنار، ص ۷۔۲۵

۶۴۔ ایضاً ص ۱۴

۶۵۔ ڈاکٹر محمد حسین الذہبی، التفسیر والمفسرون، ص ۵۵۸

۶۶۔ ڈاکٹر محمد بن لطفی الصباغ، لمحات فی علوم القرآن، المکتب الاسلامی، طبع سوم، ۱۹۹۰ء، ص ۳۱۴۔۳۱۵

۶۷۔ ڈاکٹر محمد حسین الذہبی، التفسیر والمفسرون، ص ۵۵۸۔۵۶۰

۶۸۔ ڈاکٹر عثمان امین، رائد الفکر المصری، ص ۱۵۳

۶۹۔ مقدمہ تفسیر المنار، ص ۷

۷۰۔ ایضاً ص ۷

۷۱۔ ایضاً ص ۱۹

۷۲۔ ڈاکٹر عثمان امین، رائد الفکر المصری، ص ۱۴۸

۷۳۔ مقدمہ تفسیر المنار ص، ۲۱۔۲۲

۷۴۔ ایضاً ص ۲۲

۷۵۔ ایضاً ص ۲۸

۷۶۔ ڈاکٹر عثمان امین، رائد الفکر المصری، ص ۱۵۴۔۱۵۵

۷۷۔ رشید رضا، تفسیر المنار، ج اول ص ۴۶۔۴۷

۷۸۔ ایضاً، ج دوم، دار المنار مصر، طبع سوم، ۱۳۶۷ھ، ص ۱۲۔۱۳

Marfat.com

۷۹۔ رشید رضا، مقدمہ تفسیر المنار، ص

۸۰۔ ایضاص ۸۔۱۰

۸۱۔ تفسیر المنار، ج اول، ص ۳۲۴

۸۲۔ ایضاص ۳۲۵

۸۳۔ شیخ محمد عبدہ، تفسیر جزء عم۔ ص ۴۵۔۴۶۔ ایضاص ۶۱

۸۴۔ ڈاکٹر عثمان امین، رائد الفکر المصری، ص ۱۵۱

۸۵۔ شیخ محمد عبدہ، تفسیر جزء عم، ص ۱۸

۸۶۔ رشید رضا، تفسیر المنار، ج اول ص ۱۲۲۔۱۲۳

۸۷۔ ڈاکٹر عثمان امین، رائد الفکر المصری، ص ۱۵۰۔۱۵۱

۸۸۔ مقدمہ تفسیر المنار۔ ص ۷

۸۹۔ مثالوں کے لئے ملاحظہ ہو، ڈاکٹر عثمان امین کی کتاب، رائد الفکر المصری ص ۱۵۱۔ ۱۵۳۔ اور ڈاکٹر محمد حسین الذہبی کی کتاب، التفسیر والمفسرون" ص ۶۰۔۶۲

۹۰۔ مقدمہ تفسیر المنار ص ۷۔۱۰

۹۱۔ ایضاص ۱۰

۹۲۔ شیخ محمد عبدہ، تفسیر جزء عم، ص ۱۲۵۔۱۲۷

۹۳۔ ایضاص ۱۳۸

۹۴۔ ایضاص ۱۳۹

۹۵۔ ڈاکٹر عثمان امین، رائد الفکر المصری، ص ۱۴۹

۹۶۔ احمد امین، زعماء الاصلاح فی العصر الحدیث، ص ۳۲۵

۹۷۔ ایضاص ۳۲۹۔

۹۸۔ مقدمہ تفسیر المنار، ص ۲۲۔۲۳

۹۹۔ ڈاکٹر عثمان امین، رائد الفکر المصری، ص ۱۶۱

۱۰۰۔ محمد عبدہ، تفسیر سورہ والعصر، مطبعہ المنار مصر، طبع دوم، ۱۳۳۰ھ، ص ۲۳۔۳۳

۱۰۱۔ محمد عبدہ، تفسیر جزء عم، ص ۲۹۔۳۰

۱۰۲۔ ایضاص ۱۲۳۔

Marfat.com

۱۰۳ ڈاکٹر محمد بن لطفی الصباغ، لمحات فی علوم القرآن، ص۳۱۹

۱۰۴۔ ڈاکٹر عثمان امین، رائد الفکر المصری، ص۱۶۱

۱۰۵۔ احمد امین، زعماء الاصلاح فی العصر الحدیث، ص۳۳۰

۱۰۶۔ اس پر تبصرہ کے لئے ملاحظہ ہو، ڈاکٹر محمد حسین الذہبی کی کتاب "التفسیر والمفسرون" ص۵۶۷۔۵۷۲

۱۰۷۔ محمد عبدہ، تفسیر جزء عم، ص۳۹

۱۰۸۔ ایضاً ص۱۱۹۔۱۲۰

۱۰۹۔ سید رشید رضا، تفسیر المنار، جلد اول، ص۱۷۶۔۱۷۷

۱۱۰۔ ایضاً ص ۲۶۷۔۲۷۰

Marfat.com

تفسیر فی ظلال القرآن- ایک تجزیاتی مطالعہ

سید قطب شہید دور حاضر کے ایک عظیم اسلامی مفکر تھے۔ فکر اسلامی کی تشریح وترجمانی میں ان کا بہت ہی نمایاں حصہ ہے۔ انھوں نے دنیا کی اسلامی تحریکات پر عموماً اور عالمِ عرب پر خصوصاً غیر معمولی اثرات ڈالے ہیں۔ ان کی تعلیم وتربیت مصر کے عام رواج کے مطابق جدید تعلیمی اداروں میں ہوئی۔ ثانوی تعلیم سے فراغت کے بعد انھوں نے مصر کی جدید دانش گاہ ''دارالعلوم'' میں داخلہ لیا۔ وہاں سے بی اے کی سند کے حصول کے بعد کچھ دنوں سرکاری ملازمت سے منسلک رہے۔ دریں اثنا مصری حکومت کی طرف سے جدید تعلیمی افکار ونظریات کے مطالعہ کے لیے انھیں امریکا جانے اور وہاں کچھ عرصہ قیام کرنے کی پیش کش کی گئی جسے انھوں نے قبول کیا اور اس سے اپنی علمی استعداد میں بیش بہا اضافہ کیا۔ ان کی زندگی کا ایک حصہ مصر کے عام مفکرین، ادباء اور ناقدین کی طرح ادبی اور تنقیدی موضوعات کے مطالعہ میں صرف ہوا۔ اس دور میں انھوں نے قرآن کریم پر ادبی اور فنی زاویہ سے نگاہ ڈالی اور اپنے مطالعہ کے نتائج ''التصویر الفنی فی القرآن'' اور ''مشاہد القیامۃ فی القرآن'' نامی کتابوں کے ذریعہ پیش کیے۔ یہ کتابیں مصر اور عالم عرب کے علمی و ادبی حلقوں میں بہت مقبول ہوئیں۔ خود مصنف کی شخصیت پر ان کا بہت خوشگوار اثر مرتب ہوا اور ان کی اسلام سے عقلی اور جذباتی وابستگی میں اضافہ ہوا۔[1]

اس دوران ادب اور تنقید سے متعلق ان کی کئی اہم نگارشات منظر عام پر آئیں۔ شعر وشاعری اور صحافت کی دنیا سے بھی انھیں بے حد دلچسپی تھی، جس کا ثبوت ان کے شائع شدہ تین شعری مجموعے اور مختلف اخبارات و رسائل میں ان کے مقالات اور مضامین

Marfat.com

ہیں۔ بعد میں وہ ایک معروف مجلّہ کے مدیر بھی بنائے گئے اور خود اپنے وسائل سے ایک ماہ نامہ کی اشاعت کو ممکن بنایا۔

امریکہ سے واپسی کے بعد ان کی علمی زندگی میں ایک بڑا انقلاب آیا اور ان کی توجہ ادبی اور تنقیدی امور و مسائل کے بجائے دینی، ملی اور تحریکی موضوعات کی طرف مرکوز ہوگئی اور وہ رفتہ رفتہ اپنے ملک کی معروف دینی جماعت ''الاخوان المسلمون'' سے قریب ہوتے گئے۔ یہاں تک کہ ۱۹۴۵ء میں وہ اس کے سرگرم رکن اور بعد میں اس کی مجلس عاملہ اور کئی دوسرے شعبہ جات اور کمیٹیوں کے رکن اور ذمہ دار قرار پائے۔ ان کی بقیہ زندگی اسی تنظیم کے افکار و نظریات کی ترویج و اشاعت اور اس کی سرگرمیوں میں عملاً شرکت کے لیے وقف ہوگئی۔ ان کی علمی، ادبی اور صحافتی استعداد و لیاقت پر اعتماد اور اعتبار کے باعث تحریک 'الاخوان المسلمون' نے انھیں اپنے ترجمان مجلّہ ''المسلمون'' کا مدیر مقرر کیا لیکن ابھی اس مجلّہ کی ادارت سنبھالے ہوئے صرف دو ماہ گزرے تھے کہ حکومت مصر نے ''الاخوان المسلمون'' کو خلاف قانون قرار دے دیا اور اس کے رہنماؤں کو گرفتار کر کے جیل کی تاریک کوٹھریوں میں قید کر دیا گیا۔ بعد میں ان میں سے بعض کو موت کی سزا دی گئی۔ مصر کی ایک عوامی عدالت نے سید قطب کو پندرہ سال قید بامشقت کی سزا کا مستحق قرار دیا۔ قید کے ابتدائی چند سال بہت مشقت میں گزرے لیکن بعد میں کچھ سہولیات دی گئیں خاص طور سے علمی مشاغل جاری رکھنے کے لیے ضروری ساز و سامان فراہم کیا گیا۔ اس سے فائدہ اٹھا کر انھوں نے اپنی زندگی کی بڑی خواہش اور عظیم منصوبے یعنی اپنے مخصوص اسلوب اور نظریہ کے تحت قرآن مجید کی تفسیر لکھنے کا آغاز کر دیا۔ تقریباً دس سال کی سزا اور قید کے بعد ۱۹۶۴ء میں انھیں رہا کیا گیا لیکن ایک سال کے بعد انھیں دوبارہ گرفتار کر لیا گیا اور حکومت کے خلاف بغاوت اور سازش کا من گھڑت الزام لگایا گیا اور غیر مروجہ انداز اور غیر منصفانہ طریقے سے عدالتی کارروائی کر کے انھیں اور ان کے دو ساتھیوں کو موت کی سزا سنائی گئی۔ اور عالم اسلام کے شدید احتجاج کو نظر انداز کرتے ہوئے ۲۹ر اگست ۱۹۶۶ء کی صبح سویرے اس سزا کو عملاً نافذ کر دیا گیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

Marfat.com

ان کی علمی وادی سرگرمیوں پر ایک نظر ڈالنے سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ انھوں نے قرآن مجید کے مطالعہ، اس پر غور وفکر اور اس کے اسالیب بیان کے فہم وادراک کو اپنا وظیفۂ حیات بنایا تھا۔ مذکورہ سطور میں قرآنیات سے متعلق دو اہم کتابیں ان کے اس سے انہماک اور دلچسپی کی واضح مثالیں ہیں۔ ظاہر ہے یہ تصانیف اُس دور کی یادگار ہیں جب دینی موضوعات کی طرف ان کا رجحان بہت کم تھا۔ امریکہ سے واپسی اور ''الاخوان المسلمون'' سے تعلقات کی استواری کے بعد انھوں نے دینی اور اسلامی موضوعات پر تصنیف وتالیف کو اپنی تمام تر توجہات کا مرکز بنایا۔ اس کے نتیجہ میں ان کی جو معرکۃ الآراء تصانیف منظر عام پر آئیں ان میں بھی قرآن مجید سے استفادہ اور استشہاد کا عنصر غالب تھا۔ پھر جب دس سالہ قید با مشقت اور جیل کی تنہائیوں میں انھیں کچھ لکھنے پڑھنے کی سہولت فراہم کی گئی تو انھوں نے اسے اللہ تعالیٰ کی کتاب کے زیر سایہ گزارنے اور امت مسلمہ اور ساری انسانیت کو اس کتاب سے قریب لانے اور اس سے حصولِ ہدایت کی طرف توجہ دلانے کے لیے وقف کر دیا۔ اور اپنے تاثرات وجذبات کو ''فی ظلال القرآن'' کے عنوان سے قلمبند کر کے مسلمانوں اور عام انسانوں کے سامنے ایک انتہائی قیمتی اور انمول تحفہ پیش کیا۔

ان کی دیگر تصانیف میں ''معالم فی الطریق''، ''العدالۃ الإجتماعیۃ فی الإسلام''، ''الإسلام ومشکلات الحضارۃ''، ''خصائص التصور الإسلامی''، ''معرکۃ الإسلام والرأسمالیۃ''، ''السلام العالمی والإسلام''، ''دراسات إسلامیۃ''، ''نحو المجتمع الإسلامی''، ''کتب وشخصیات''، ''النقد الأدبی- اصولہ ومنہجہ''، ''نقد کتاب مستقبل الثقافۃ فی مصر''، ''امریکا التی رأیتہ'' اور ''مہمۃ الشاعر فی الحیاۃ'' علمی حلقوں میں مقبول اور متداول ہیں۔ افسانوں، قصوں اور اشعار کے مجموعے اور دواوین ان کے علاوہ ہیں۔ مذکورہ کتابوں میں سے کئی ایک اس اعتبار سے بے حد اہم ہیں کہ ان کے ذریعہ عصری اسلوب اور علمی زبان میں اسلامی نظام کے مختلف گوشوں اور پہلوؤں کی وضاحت اور تشریح کا انتہائی گراں قدر کام انجام پایا اور تحریک اسلامی کے مقصد، نصب العین اور طریقۂ کار وغیرہ پر اطمینان بخش

Marfat.com

اور مدلل رہنمائی فراہم ہوئی ہے۔ اسی بنا پر یہ کتابیں پوری اسلامی اور غیر اسلامی دنیا میں مقبول ہوئیں اور درجنوں زبانوں میں ان کے تراجم شائع ہوئے۔[۲]

تفسیر کا ایک عمومی تعارف

سید قطب کی سب سے معرکۃ الآراء تصنیف قرآن مجید کی تفسیر ''فی ظلال القرآن'' ہے۔ یہ تفسیر ان کے قرآن مجید پر تیس سالہ غور و فکر کا نتیجہ ہے۔ عالم اسلام میں اس کی بے پناہ مقبولیت کا اندازہ اس حقیقت سے ہوتا ہے کہ اس کا دنیا کی کئی زبانوں میں ترجمہ کیا گیا اور اس کے بے شمار ایڈیشن شائع ہوئے۔ پوری دنیا میں اسلامی نظام حیات کے شیدائی اور اس کی اقامت اور احیاء کے لیے سرگرم اور سرگرداں مسلم دانشوروں اور علماء کے لیے یہ تفسیر دعوت و تحریک، تربیت و تزکیہ اور اصلاح و تغیر سے متعلق بے شمار گوشوں اور زاویوں کی توضیح و تفہیم کا ذریعہ ثابت ہوئی۔ حالاں کہ اس کا بیش تر حصہ جیل کی پر مشقت اور پر آشوب قید کے دوران لکھا گیا، جہاں انھیں نہ تو مطلوبہ یکسوئی حاصل تھی اور نہ ہی وسائل و ذرائع۔ لیکن اس کی اثر انگیزی کے دائرہ کی وسعت اور ہمہ جہت مقبولیت اور پذیرائی کا اندازہ عالم اسلام کے ایک بالغ نظر ادیب کے اِس بیان سے کیا جا سکتا ہے:

> ''بیسویں صدی میں عربی زبان میں کوئی تحریر اتنی جاندار اور زور دار نہیں لکھی گئی جتنی سید قطب کی ''فی ظلال القرآن'' ہے۔ یہ کتاب زور بیان، غیر معمولی زبان دانی اور خطابت کا شاہ کار ہے۔ ایسا نمونہ بیسویں صدی کی کسی اور عربی تحریر میں نہیں ملتا۔ پڑھنے والا اس تفسیر میں ایسا بے خود ہو کر بہتا چلا جاتا ہے کہ اسے کچھ خبر نہیں رہتی کہ وہ کہاں جا رہا ہے؟''۔[۳]

یہ تفسیر کل چھ جلدوں پر مشتمل ہے (مطبوعہ دار الشروق، بیروت، ۱۹۷۹ء) اور یہ مؤلف کے ان تاثرات اور احساسات کی آئینہ دار ہے جو قرآن مجید کے مطالعہ کے دوران ان پر طاری ہوئے تھے۔ انھوں نے اس کے مقدمہ میں وضاحت کی ہے کہ وہ اس تفسیر کے ذریعہ اپنے ان اچھوتے اور نادر خیالات اور گراں قدر ایمانی تصورات میں دوسروں کو

Marfat.com

شریک کرنا چاہتے ہیں جو قرآن مجید کے زیر سایہ زندگی گزارنے کے دوران ان کے ذہن و دماغ میں وارد ہوئے تھے۔ اسی وجہ سے انھوں نے اپنی ساری توجہ قرآن مجید کے پیغام، اس کے ادبی جمال، تصویری اسلوب بیان اور سیاق وسباق کی ندرت و جدت کی توضیح اور تقدیم پر مرکوز رکھی اور ہر اُس مبحث سے احتراز کیا جو مذکورہ مقاصد کے مغایر یا مخالف ہو۔ وہ اپنے تفسیری کام کا تعارف پیش کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

''قرآن کے سایہ میں زندگی گزارنا ایک ایسی نعمت ہے جس کی حقیقت صرف وہی پہچان سکتا ہے جس نے اس کا مزہ چکھا ہو، یہ ایک ایسی نعمت ہے جو زندگی کو رفعت، اس میں برکت اور اسے تزکیہ وتطہیر کی دولت سے ہم کنار کرتی ہے۔ اللہ کا شکر ہے کہ میں نے قرآن کے سایہ میں زندگی کا ایک لمبا وقت گزارا ہے۔ میں نے اس میں وہ لطف اور مزہ پایا ہے جو مجھے اپنی زندگی میں کبھی اور کہیں نہیں ملا۔''[۴]

سید قطب جدید مفسرین کے اُس طبقہ سے تعلق رکھتے ہیں جس کا خیال یہ ہے کہ قرآن مجید کی تفسیر اس انداز سے کی جانی چاہیے کہ اس سے اس کی اصل دعوت اور پیغام کی وضاحت ہو سکے اور وہ اپنے قارئین یا سامعین کو اسی طرح متاثر اور مرعوب کرے جیسے اس نے اپنے اولین مخاطبین کو متاثر کیا تھا۔ اس کے لیے ضروری ہے کہ مفسر اپنے دور کے انسانوں کے علمی معیار اور ذہنی افق کو پیش نظر رکھتے ہوئے، عصری اسلوب میں قرآن مجید کی تفسیر اور توضیح کا کام کرے۔ اس طبقہ کو یقین ہے کہ اگر قرآن کریم کے الفاظ وتراکیب کے معانی، ان کے عجائبات، اس کی زبان و بیان کی روح پرور تازگی اور اس کے لطیف ادبی محاسن کو لوگوں کے سامنے لایا جائے اور لغوی، نحوی، فقہی اور کلامی مباحث سے کلی طور سے اجتناب کیا جائے تو اس سے ان کے احساس وشعور اور قلب وضمیر میں اصلاح احوال کی زبردست تحریک پیدا ہوگی اور وہ رشد و ہدایت کے مراحل بآسانی طے کر سکیں گے۔ چنانچہ اس مکتب فکر کے وابستگان نے کسی مسلک یا نظریہ کے حصار میں محصور ہونے کے بجائے، قرآن مجید کی ادبی طرز تفسیر کی وکالت کی ہے۔ اس کی ایک اہم خوبی یہ ہے کہ اس

Marfat.com

نے اسرائیلیات کو نقد و جرح کی کسوٹی پر پرکھا، کمزور اور موضوع احادیث کو نا قابل استشہاد تصور کیا اور قرآن پاک کی تفسیر میں صحیح احادیث پر اعتماد کرنے کی کوشش کی۔ انھوں نے قدیم علوم کی گنجلک اور پیچیدہ اصطلاحات کے استعمال سے گریز کرتے ہوئے قرآن کے ایجاز اور اعجاز کے انکشاف، اس کے کائناتی اصولوں اور معاشرتی آداب کی وضاحت اور اس کی روشنی میں امت مسلمہ اور اقوام عالم کے مسائل حل کرنے پر اپنی توجہات مرکوز رکھیں۔ چوں کہ اس مکتب سے وابستہ افراد کی معلومات بے حد وسیع تھیں، انھوں نے مشرقی علوم کے ساتھ مغربی اور سائنسی علوم سے بھی استفادہ کیا تھا اور وہ مومنانہ بصیرت اور فراست کی دولت گراں مایہ کے حامل اور امین تھے۔ اس لیے انھوں نے قرآن مجید کی ان آیات کی، جن کا تعلق کائنات اور انسان کی تخلیق اور ان کے اہم مظاہر سے ہے، ایسی دلنشیں اور قابل فہم تعبیریں پیش کیں جن سے جدید مسلم تعلیم یافتہ طبقہ کی دین کی اساسیات اور مقتضیات کے حوالہ سے الجھنوں اور شکوک وشبہات کا ازالہ ہوا اور قرآن کی حقانیت اور صداقت پر ان کے ایمان و یقین میں تازگی اور پختگی آئی۔ اس طبقہ کا سب سے بڑا کارنامہ یہ ہے کہ انھوں نے قرآن مجید کو دور حاضر کے انسانوں کے مسائل کا ایک کامیاب حل اور ان کی زندگی کے لیے ایک مکمل دستور العمل کے طور پر پیش کیا۔

ہم جب سید قطب کے اس عظیم شاہ کار اور لازوال علمی و دینی کارنامے پر نظر ڈالتے ہیں تو احساس ہوتا ہے کہ یہ جانفشانی اور محنت وہی شخص کرسکتا ہے جس کا مطمح نظر دنیا کی چند روزہ زندگی کے فوائد کے بجائے آخرت کی ابدی زندگی کی کامیابیوں اور کامرانیوں کا حصول ہو اور جس کا اسلامی نظام حیات کے احیاء، اور اس کی اقامت سے اس حد تک ربط و تعلق اور عشق و محبت ہو کہ تختۂ دار بھی اس کے قدم کو متزلزل نہ کرسکے اور جیل کے تکلیف دہ نامساعد حالات اس کے مطالعہ اور تالیف کے کام میں رکاوٹ نہ بن سکیں۔

تفسیر کے بعض امتیازی اوصاف

اس تفسیر کے نام ''فی ظلال القرآن'' سے اس کے امتیازی اوصاف کی نشان دہی

Marfat.com

ہوتی ہے۔ مؤلف اس کے مقدمہ میں اِس نام کے تعین کی وجہ بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''میں نے ''فی ظلال القرآن'' کا نام بلا کسی تردد اور تکلف کے اختیار کیا ہے۔ یہ ایک ایسی حقیقت ہے جس کا میں پوری زندگی سامنا کرتا رہا اور اس کے مختلف مراحل میں میں اپنے اندر یہ خواہش پاتا رہا کہ میں قرآن کے زیر سایہ زندگی بسر کروں۔ وہاں مجھے وہ راحت ملتی تھی جو کہیں اور ممکن نہیں تھی۔ میں مختلف احوال اور کیفیات سے گزرتا تھا۔ کبھی آسمان کی بلندیوں کو چھو رہا ہوتا تھا اور کبھی زمین پر مضبوطی سے کھڑا محسوس کرتا تھا۔ کبھی مجھ پر روشن اور ہوادار کھڑکیاں کھل جاتی تھیں اور کبھی کچھ اور''۔۵

اس تفسیر کے آغاز کے داستان بھی بڑی مختصر لیکن سبق آموز ہے۔ صاحب تفسیر کو ایک مصری ماہنامہ کی طرف سے مدعو کیا گیا کہ وہ اس کی ہر اشاعت میں کسی ایک موضوع پر مستقل لکھنے کا اہتمام کریں۔ انھوں نے یہ پیش کش قبول کرتے ہوئے اپنے کالم کا نام ''فی ظلال القرآن'' تجویز کیا۔ پھر ان کی اس موضوع سے دلچسپی برابر بڑھتی گئی اور مستقل تفسیر لکھنے کا داعیہ تیز تر ہوتا گیا۔ اس کے نتیجہ میں یہ مہتم بالشان تفسیر منصۂ شہود پر آئی۔

''فی ظلال القرآن'' ذخیرۂ تفاسیر میں اس لحاظ سے ایک منفرد اور ممتاز تفسیر ہے کہ اس میں اس دور کی سچی تصویر کشی کی گئی ہے جس میں قرآن نازل ہوا تھا چنانچہ اس کی وہ آیات جن کا تعلق عقائد، عبادات، اخلاق، آداب اور احکام وغیرہ سے ہے اُن کی ایسی دلنشیں تشریح کی گئی ہے کہ پڑھنے والے پر عجیب وغریب کیفیت طاری ہو جاتی ہے اور وہ یہ محسوس کرنے لگتا ہے کہ گویا قرآن اس سے براہ راست مخاطب ہے اور اس کے معانی اور اس کی ذات کے درمیان کوئی حجاب نہیں ہے۔

اس تفسیر کا یہ وصف بھی انتہائی قابل قدر ہے کہ اس میں عہدِ رسالت اور عصر حاضر کے مسائل اور معاملات کا تجزیہ کر کے دونوں کے درمیان اشتراک اور مماثلت کی بنیادیں تلاش کی گئی ہیں اور پھر آج کے مسلمانوں کی کیا ذمہ داریاں ہیں؟ وہ ان سے کیسے عہدہ برآ ہوں؟ ان کے اندر کس طرح کے اوصاف وخصائص کی موجودگی ناگزیر ہے؟ ان

Marfat.com

سب امور پر سیر حاصل گفتگو کی گئی ہے۔ مثال کے طور پر سورہ البقرہ میں بنی اسرائیل سے متعلق آیات کے آغاز میں انھوں نے تفصیل سے مدینہ میں یہودیوں کی سازشوں اور ریشہ دوانیوں کا تذکرہ کیا اور ان کے اسباب وعلل پر روشنی ڈالی ہے، پھر یہ بتایا کہ انھیں دنیا میں عالم اسلام کے علاوہ کہیں عزت واحترام اور سکون واطمینان نصیب نہیں ہوا، نہ ماضی میں اور نہ حال میں، دین اسلام چونکہ مذہبی اور نسلی عصبیتوں سے پاک اور صلح وآشتی اور عدل و مساوات کا داعی ہے اس لیے اس نے ہر کسی کے لیے اپنا دامن عفو و درگزر ہمیشہ پھیلائے رکھا اور اپنی رداءِ حفظ واماں میں جگہ دی۔[۶]

سورہ بنی اسرائیل کی آیت ''وان عدتم عدنا .....(۸)'' کے تحت انھوں نے بنی اسرائیل کے فساد فی الارض برپا کرنے کی عادت اور اللہ تعالیٰ کی مواخذہ کی سنت کا تذکرہ کرتے ہوئے دور حاضر میں ان پر ہٹلر کے مظالم اور یورپ سے اخراج کے واقعات کی طرف رہنمائی کی ہے اور پھر ان کے عالم عرب میں آباد ہونے اور عربوں کی زمینوں پر زبردستی قبضہ کر کے مملکت اسرائیل کی داغ بیل ڈالنے کے دوران ان کے مظالم اور سفاکیوں کا حوالہ دے کر ان کے جلد ختم اور نیست ونابود کیے جانے کا ذکر کیا ہے، اور ایسا ان کی نظر میں اللہ کے قطعی وعدہ کی تصدیق اور اس کی غیر متغیر سنت کے باعث ہوگا۔[۷]

نظم کلام اور ربط آیات پر زور

سید قطب کا سورہ کی تفسیر لکھنے کا طریقہ یہ ہے کہ وہ پہلے اس کی آیات کو مختلف حصوں اور مجموعوں میں تقسیم کرتے ہیں۔ (یہ عمل پچیسویں پارہ کے اختتام تک جاری رہا۔ بعد میں دو تین سورتوں کے علاوہ باقی تمام سورتوں کی آیات کو ایک ساتھ، یکجا نقل کر دیا ہے) پھر ہر حصہ کی آیات اپنے مخصوص انداز میں نقل کرتے ہیں یعنی ان آیات کے درمیان یا ان کے اختتام پر مختلف قسم کی علامتیں قائم کرتے ہیں، جن سے اُن آیات کے مطالب کے سمجھنے اور سمجھانے میں آسانی ہوتی ہے۔ سورہ الحجر تک ان کا طریقہ یہ رہا ہے کہ وہ آیات کے مجموعۂ اول کے نقل کرنے سے پہلے ایک، ابتدائی پر مغز اور موثر مقدمہ لکھتے

Marfat.com

ہیں۔ بعد کی سورتوں میں یہی مقدمہ ان کی آیات کے پہلے مجموعہ یا حصہ کے بعد موجود ہے۔ ان مقدمات میں انھوں نے سورہ کے مرکزی موضوع، دوسرے موضوعات، سورہ کا مزاج، نزول کے وقت کا ماحول، سورہ کا اس سے پہلے اور بعد کی سورتوں سے ربط و تعلق اور کبھی کبھی کئی سورتوں کے موضوعات کی یکسانیت اور ہم آہنگی، ان کے اسلوب اور طرزِ بیان وغیرہ پر تفصیل سے روشنی ڈالی ہے۔[8] پھر اس مجموعہ کی آیات الگ الگ نقل کر کے ان کے مطالب اور مفاہیم کی وضاحت کی ہے۔ پھر اس کے بعد مضمون کی رعایت سے تقسیم شدہ دوسرے مجموعوں کی آیات نقل کیا ہے اور ہر مجموعہ کی آیات کا اُس کے ماقبل و مابعد کی آیات سے ربط و تعلق پر تشفی بخش گفتگو کی ہے اور ہر مجموعہ کی انفرادی خصوصیات کی نشان دہی کی ہے۔ یہی نہیں بلکہ انھوں نے ہر حصہ اور مجموعہ کے اندر شامل آیات کے باہمی ربط و تعلق پر پوری توجہ دی ہے۔ اس کی ایک مثال سورہ البقرہ میں بنی اسرائیل کی سرگزشت سے پہلے قصہ آدم کے تذکرہ کی حکمت و مصلحت کی وضاحت ہے[9] اور سورہ ص میں قصہ داؤد کے درمیان تین آیات (۲۷ تا ۲۹) کے ماقبل و مابعد سے ربط و تعلق کے اثبات کی کامیاب کوشش ہے۔[10]

مصنف کے مذکورہ طریقہ تفسیر کی وجہ سے قرآنی سورتوں کی موضوعاتی وحدت اور ان کی آیات کے درمیان اتصال و ارتباط کا بہت عمدگی سے اثبات ہوتا ہے اور ہر سورہ ایک اکائی اور وحدت بن کر سامنے آجاتی ہے۔ اس کا اندازہ سورہ البقرہ سے سورہ الرعد تک کی کسی سورہ کے مقدمہ یا سورہ الانبیاء[11] اور سورہ سبا[12] کی ابتدائی تمہیدی گفتگو کے مطالعہ سے بآسانی کیا جاسکتا ہے۔ ان کے علاوہ سورہ فاطر اور بعض دوسری سورتوں کے مقدمات میں مصنف کی یہ صراحت بھی موجود ہے کہ ان کی موضوعاتی وحدت کے بہت واضح اور نمایاں ہونے کی بنا پر ان کی آیات کی مختلف مجموعوں اور حصوں میں تقسیم کا کام بہت مشکل نظر آیا اور اس میں انہیں بڑی دقت اور پریشانی کا سامنا کرنا پڑا۔[13] سورتوں کے مرکزی موضوع یا اس کے ذیلی و ضمنی موضوعات کی توضیح اور ان میں وحدت اور یکسانیت کے اثبات کی وجہ سے تفسیر فی ظلال القرآن کا مرتبہ اور مقام دیگر عربی تفاسیر کے

Marfat.com

درمیان بہت بلند اور ممتاز نظر آتا ہے۔ یہاں وضاحت اور نمونہ کے طور پر سورہ النساء کے ایک پیراگراف کا ترجمہ پیش کیا جارہا ہے:

''قرآن مجید کی ہر سورہ کی اپنی مخصوص شخصیت، منفرد مزاج اور نمایاں خصوصیات ہوتی ہیں اور اس کا ایک مرکزی موضوع ہوتا ہے جسے اُس سورہ کے تمام اجزاء استحکام بخشتے ہیں۔ مخصوص شخصیت کا یہ تقاضا ہے کہ ہر سورہ کے اندر وارد مضامین، ایک مخصوص نظام کے تحت، اس کے مرکزی موضوع سے جڑے اور متصل ہوں۔ اس شکل میں اس کی خصوصیات نمایاں ہوں گی اور اس کے جواہر نکھریں گے۔ اس کی مثال ایسی ہی ہے جیسے ایک زندہ انسان، جو اپنی جنس کے تمام انسانوں سے بہت سی چیزوں میں اتحاد کے باوجود، اپنی ظاہری اور باطنی خصوصیات کی بنا پر الگ اور ممتاز ہوتا ہے'' ۔[۱۴]

انھوں نے ہر سورہ کی ابتدا میں یا اس کے پہلے مجموعہ آیات کے بعد جو تعارفی مقدمہ لکھا ہے وہ قرآن مجید کے اسرار و رموز اور مصالح اور مقاصد کو سمجھنے کے حوالہ سے بہت اہم ہیں۔ یہ اپنی جامعیت، ہمہ گیری، فصاحت اور بلاغت کی بنا پر قارئین کی توجہ اپنی طرف منعطف کر لیتے ہیں اور ان کے ایمان میں اضافہ، روح میں تازگی اور اعضاء و جوارح میں حرکت و عمل کے لیے آمادگی پیدا کرتے ہیں۔

ان مقدمات کا ایک وصف یہ بھی ہے کہ ان میں سورتوں کے نزول کے زمانہ اور ماحول پر بھی سیر حاصل گفتگو کی گئی ہے اور یہ بتایا گیا کہ داعی اعظمؐ نے کس طرح قافلۂ حق کو کامیابی و کامرانی کی منزلوں سے سرفراز کیا اور اس راہ میں انھیں کن کلفتوں کا سامنا کرنا پڑا اور کس حکمت، تدبر، صبر اور استقامت سے انھوں نے ہر مشکل کا مقابلہ کیا۔ الغرض قرآن مجید کی تعلیمات اور سیرت نبویؐ کے دروس و اسباق کی روشنی میں انھوں نے عصر حاضر کے مسلمانوں اور اسلامی تحریکات کو اسلام کی دعوت، اس کے احیاء اور غلبہ کی ممکنہ شکلوں اور صورتوں سے آگاہ کیا اور ان مسائل اور چیلنجز کا اطمینان بخش جواب دیا جو انھیں اس راہ میں

Marfat.com

درپیش تھے، ظاہر ہے یہ سب اس لیے ممکن ہوسکا کیوں کہ وہ قرآن وسنت کو اپنا ہادی اور رہنما تسلیم کرتے تھے اور ان میں غور وفکر کے عادی تھے۔ اسی بنا پر وہ قرآنی تعلیمات کو عصری اسلوب میں پیش کرنے کے قابل ہو سکے۔

ان مقدمات کے یہ اوصاف تقریباً ہر سورہ کے آغاز میں ملاحظہ کیے جاسکتے ہیں لیکن یہ جس خاص اہتمام، زور بیان اور دلائل کے ساتھ قرآن مجید کی ابتدائی چھ طویل سورتوں اور ان کے علاوہ سورہ یونس، سورہ ہود، سورہ یوسف اور سورہ الانبیاء کی ابتداء میں موجود ہیں وہ قرآن مجید کے طالب علموں کی بہت سی الجھنوں کے ازالہ اور رفع کے لیے کافی ہیں۔

فی ظلال القرآن میں سورتوں کے مقدمات کے علاوہ ان کے اختتامیے بھی بے حد اہمیت کے حامل ہیں۔ اس کا مقصد سورہ کے بنیادی مضامین کا اعادہ اور استحضار ہوتا ہے۔ کبھی کبھی ان کے ذریعہ کسی سورہ کے اہم نکات کی مزید تشریح مقصود ہوتی ہے۔ اس اختتامیہ کا ذکر سورہ کی تمہیدی گفتگو میں بھی ہوتا ہے اور اس کے اخیر میں بھی۔ ۱۵ اس کی بہت عمدہ مثال سورہ ''الرعد'' کی تفسیر ہے جس کا اختتامیہ دس صفحات پر مشتمل ہے۔ ۱۶ اسی طرح سورہ آل عمران کی آخری آیت (یَا أَیُّهَا الَّذِیْنَ آمَنُوا اصْبِرُوا وَصَابِرُوا وَرَابِطُوا وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ) کی تفسیر بیان کرتے ہوئے اختتامیہ کے طور پر جو لکھا ہے وہ یہ ہے:

> ''پوری سورہ صبر اور تقوی کے تذکرہ سے بھری ہے۔ یہ دونوں اوصاف الگ الگ بھی بیان کیے گئے ہیں اور یکجا بھی۔ اسی طرح اس سورہ میں مشقتوں کو برداشت کرنے، راہ خدا میں جہاد کرنے، سازشوں کا مقابلہ کرنے اور شکست خوردہ اور تھڑدلے لوگوں سے کنارہ کشی اختیار کرنے کی دعوت دی گئی ہے۔ اب اس سورہ کا اختتام صبر، مصابرہ، مرابطہ اور تقوی اختیار کرنے کی ہدایت پر ہوتا ہے۔ یہ سب سے مناسب اور برمحل خاتمہ ہے''۔ ۱۷

تفسیر کے مطالعہ سے اس حقیقت کا ادراک ہوتا ہے کہ ربط آیات اور سیاق کلام

Marfat.com

کی رعایت ان کے نزدیک فہم قرآن کی ایک اہم کلید ہے، انھوں نے اس کے ذریعہ آیات اور ان کے الفاظ کے تعیین اور تشریح میں کافی مدد لی ہے۔ اور بعض مقامات پر ان مسائل اور امور میں اپنی واضح اور قطعی رائے دی ہے جن میں مفسرین کی رائیں مختلف تھیں۔ مثلاً انھوں نے سورہ ھود کی آیت ۱۲، ۱۷ اور ۱۱۴ کو مکی ثابت کیا ہے جنھیں عام طور سے مدنی تصور کیا جاتا ہے۔ ۱۸ یہی رائے انھوں نے سورۂ یوسف کی ابتدائی چار آیات کے متعلق بھی دی ہے۔ انھوں نے دونوں جگہ یہ ثابت کیا ہے کہ دونوں سورتوں کا مزاج، ماحول، موضوع اور سیاق وسباق ان آیات کے مدنی ہونے کی دلیل فراہم کرتا ہے۔ ۱۹

اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ قرآن مجید پر غور وفکر کے نتیجہ میں اللہ تعالیٰ نے انھیں ایسی بصیرت اور ایسے اصول عطا کردیے تھے جن سے وہ تفسیر کے دوران مدد لیا کرتے تھے۔ ان ہی میں ایک اصول سیاق کلام اور تناسق آیات ہے، اس اصول کی رعایت کی بنا پر انھوں نے اپنی تفسیر میں بہت سی تفسیری اور اسرائیلی روایات کے مکمل نقل و تذکرہ سے گریز کیا ہے اور قرآن مجید کے مقاصد نزول وغیرہ کی روشن میں انتہائی ضروری نکات اخذ اور بیان کیے ہیں۔ مثال کے طور پر سورہ المائدہ آیت ۲۷ تا ۳۱ میں مذکور حضرت آدمؑ کے دو بیٹوں سے متعلق ایک واقعہ کی تفصیلات سے صرف نظر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> ''قرآنی سیاق، اس قصہ کے زمانہ، جگہ اور اسماء کی تعیین نہیں کرتا ہے۔ گرچہ روایات میں بعض تفصیلات ملتی ہیں لیکن ہم اس قصہ کے اجمال پر قناعت کو ترجیح دیتے ہیں۔ قرآن نے جو کچھ بیان کیا ہے اُس سے اس کے مقصود کی وضاحت ہوجاتی ہے اور روایات میں مذکور تفصیلات سے اس مقصود کی وضاحت میں کوئی مدد نہیں ملتی ہے''۔ ۲۰

سورتوں اور ان کی آیات کے درمیان ربط وتعلق کے اثبات اور ان کے موضوعات اور ان میں وحدت کی تشریح وتوضیح کے لیے انھوں نے جو الفاظ استعمال کیے ہیں ان میں سیاق، تناسق اور ان سے مشتق بعض الفاظ کے علاوہ جولۃ، شوط، تعقیب، ختام، ربط، ارتباط، ایقاع، عرض، مشہد، جو، ظلال، اطار اور مجال خاص طور سے قابل ذکر ہیں۔

Marfat.com

منفرد ادبی اسلوب کی شاہ کار

سید قطب عصر حاضر کے مشہور ادیب اور ناقد تھے۔ ان کی تفسیر میں ان کا ادبی اور تنقیدی ذوق بہت نمایاں نظر آتا ہے۔ انھوں نے جدید ادبی انداز اور معیارات کے مطابق قرآن مجید کے ادبی حسن اور اعجاز کو نہایت عمدگی سے پیش کیا ہے۔ ان کا یہ اختصاص ہے کہ انھوں نے ایک طرف فصیح و بلیغ عربی زبان میں قرآنی آیات کے اسالیب، ان کے محاسن اور ان میں موجود بلاغت اور اعجاز کے نادر گوشوں کی وضاحت کی ہے تو دوسری طرف قرآنی آیات اور الفاظ کے اندر موجود نغمگی، ترنم اور موسیقیت کو بھی نمایاں کیا ہے اور تیسری طرف قرآن مجید کے بیان کردہ واقعات، دوزخ اور جنت کے مناظر، قیامت کے احوال اور دیگر حقائق کی پیش کش میں تصویر کشی اور منظر نگاری کے فنی عناصر کی موجودگی اور ان کے استعمال پر روشنی ڈالی ہے۔ اسی کے ساتھ ساتھ کائنات اور اس کی موجودات اور اشیاء میں جو حسن و جمال اور ذوق و وجدان کی تسکین کا جو سامان بکھرا پڑا ہے اور جس کی طرف قرآن مجید نے جگہ جگہ اشارے کیے ہیں انھوں نے ان سب کو بہت نمایاں کر کے پیش کیا ہے اور ان کی ایسی بلیغ تشریح کی ہے کہ اس سے ان کی رعنائی و شگفتگی اجاگر ہو جاتی ہے اور قارئین کے جمالیاتی ذوق کی تسکین و تسلی کا سامان فراہم ہوتا ہے۔ اس طرح اس تفسیر میں مصنف کے اختیار کردہ اسلوب کو بجا طور سے ایک منفرد ادبی اسلوب قرار دیا گیا ہے۔ ادب اور تنقید میں اپنے ممتاز مقام و مرتبہ کے باعث وہ بلاشبہ اس کے مستحق تھے۔ ان کے تفسیری اسلوب کا ایک بڑا خاصہ یہ ہے کہ انھوں نے ان علمی اصطلاحوں اور الفاظ کے استعمال سے گریز کیا ہے جن سے دوسری تفاسیر بھری پڑی ہیں اور ان کے بالمقابل انھوں نے کچھ ایسے الفاظ اور اصطلاحات کا بکثرت استعمال کیا ہے جو ان کی ذات اور شخصیت کے ساتھ مخصوص ہیں۔ اس کا ادراک ہر وہ شخص بہت آسانی سے کر لے گا جو ان کے طرز تحریر اور ان کی تصانیف سے واقف ہوگا۔

سید قطب کو قرآن مجید کے اسالیب اور ان کے فنی محاسن سے شغف اور دلچسپی

Marfat.com

اُس وقت سے تھی جب وہ عمر کی ابتدای منزلیں طے کررہے تھے۔ انھوں نے لکھا ہے کہ بچپن میں قرآنی آیات کی تلاوت کے دوران وہ بعض مقامات پر ٹھہر کر اسلوب بیان کی جدت اور ندرت سے محظوظ ہوتے تھے اور خاص طور سے قرآن کریم کی تصویر کشی اور منظر نگاری سے متاثر اور مبہوت ہوتے تھے۔[۲۱] یہ سلسلہ عمر کی ہر منزل میں جاری رہا۔ یہاں تک کہ ۱۹۳۹ء میں مجلّہ ''المقتطف'' میں سلسلہ وار مضامین کے ذریعہ ان سے متعلق اپنے افکار و خیالات کو مرتب انداز میں پیش کرنے کی شروعات کی۔ ان مضامین میں وہ قرآن مجید کے مختلف مقامات سے ایسی آیات کا انتخاب کرتے تھے جن میں افراد یا اقوام کے احوال و واقعات بیان کیے گئے ہیں پھر وہ ان میں پوشیدہ فنی خوبیوں کو اجاگر کرتے تھے۔[۲۲] جب ان مضامین کی معتد بہ تعداد منظر عام پر آگئی اور انھیں پسندیدگی کی نظر سے دیکھا گیا تو انھوں نے ان کا مجموعہ ''التصویر الفنی فی القرآن'' کے نام سے شائع کر دیا۔[۲۳]

وہ قرآن میں منظر کشی یا تصویر کشی کے اسلوب کے بارے میں اپنی بنیادی فکر کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> ''قرآنی مناظر یا تصویری خاکے، اس کے دوسرے اجزاء سے الگ اور مختلف نہیں ہیں۔ یہ قرآن مجید کی تعبیر اور اظہار بیان کا ایک مسلمہ اصول ہے۔ قرآن مجید نے اپنی تمام اغراض و مقاصد میں اس سے کام لیا ہے۔ اس لیے گویا بحث چند خاکوں یا تصویروں سے پردہ کشی سے نہیں بلکہ مسلمہ اصولوں کی وضاحت سے ہے''۔[۲۴]

وہ ایک جگہ مزید وضاحت سے لکھتے ہیں:

> ''تصویر قرآن مجید کے اسلوب کی ایک نمایاں خصوصیت ہے اور قرآنی مضامین کو ذہن نشیں کرانے کا ایک ذریعہ ہے۔ تصویر کے ذریعہ ذہن میں مخفی امور اور نفسانی حالات کو محسوس صورت میں پیش کیا جا سکتا ہے۔ اسی طرح تصویر کے ذریعہ عام طور سے دیکھے جانے والے حوادث، انسانی اجسام اور طبائع کی منظر کشی کی جاتی ہے۔ پھر سلیقہ سے کھینچی ہوی

Marfat.com

اس تصویر میں زندگی اور حرکت نمودار ہوتی ہے۔ جس کے نتیجہ میں ایک ذہنی چیز متشکل اور متحرک ہوکر سامنے آجاتی ہے''۔ ۲۵

سید قطب قرآن مجید کے اس اچھوتے اور موثر اسلوب کی اہمیت اور افادیت کے اس قدر قائل اور اس سے دوسروں کو روشناس کرانے کے لیے اس قدر بے چین تھے کہ جیل کی پر مشقت زندگی میں جب لکھنے پڑھنے کی معمولی سے سہولت فراہم کی گئی تو انھوں نے اسے اپنی دیرینہ آرزو کے مطابق قرآن سے متعلق اپنے خیالات اور تاثرات کی جمع و ترتیب اور تالیف کے لیے غنیمت سمجھا۔ چنانچہ یہ بات پورے یقین سے کہی جاسکتی ہے کہ ان کی تفسیر ''فی ظلال القرآن'' ان کے نظریہ ''التصویر الفنی فی القرآن'' کی تشریح و تعبیر ہے۔ اور یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ اپنی پوری زندگی قرآن مجید کے فنی جمال کے مختلف گوشوں اور اس کی تعبیر اور تصویر کشی میں ارتباط اور مماثلت کے مختلف پہلوؤں کا انھوں نے جو ادراک کیا اور ان سے جس طرح متاثر ہوئے، ان کی تفسیر ان کے ان ہی ادراکات، تاثرات، احساسات اور نتائج فکر کی آئینہ دار اور عکاس ہے۔

وہ اسی بات کو ایک جگہ مزید وضاحت کے ساتھ اس طرح لکھتے ہیں:

''میں نے اپنے ان خیالات اور تاثرات کو اس کتاب معجز کے مطالعہ کے دوران اس کے فنی جمال کے تعلق سے میرے دل میں آئے، پیش کرنے کی کوشش کی ہے۔ میرے نزدیک قرآنی تعبیرات اور تصویر کشی میں باہم ربط و اتصال ہے۔ میں نے تفسیر کے ذریعہ اس نظریہ کی عملی تطبیق پیش کی ہے۔ یہ میری دلی آرزو تھی جو میرے دل میں اُس وقت سے انگڑائی لے رہی تھی جب میں نے اپنی کتاب ''التصویر الفنی فی القرآن'' کی تکمیل کی تھی۔ اُس وقت میں نے اپنے اس خیال کو بہت صاف طور سے پیش کیا تھا کہ ''میرے نزدیک تصویر کشی قرآنی اسالیب میں ایک نمایاں اور بہتم بالشان اسلوب ہے اور اس کی حیثیت تفسیر قرآن کے اہم اصول اور کلید کی ہے۔'' گرچہ اُس کتاب کے مطالعہ سے میرے فکر اور نظریہ کی پوری

Marfat.com

تشریح وتفصیل سامنے آجاتی ہے لیکن میری یہ خواہش پھر بھی باقی رہی کہ میں اس اصول اور نظریہ کے مطابق پورے قرآن کی تفسیر پیش کروں۔ یہ آرزو کبھی کمزور اور کبھی مضبوط ہوتی رہی یہاں تک کہ ''فی ظلال القرآن'' کی شکل میں اسے پوری کرنے کا موقعہ ملا''۔[۲۶]

یوں تو پوری تفسیر کے تقریباً ہر صفحہ پر مذکورہ فکر اور نظریہ کے مطابق قرآنی الفاظ اور آیات کی تشریح اور تفسیر کے نمونے اور مثالیں موجود ہین۔ لیکن اس مقصد سے خاص طور سے سورہ الاعراف، سورہ الرعد اور سورہ فاطر کا مطالعہ کیا گیا تو بڑی اچھوتی، جاذب نظر اور پرکشش مثالیں (پیراگرافس) موجود پائی گئیں۔ مصنف نے اپنی بات کہنے کے لیے بہت عمدہ اور صاف ستھری زبان اور اچھے الفاظ اور عمدہ تراکیب کا سہارا لیا ہے۔ ان سب کی وضاحت اور تشریح کے لیے کافی وقت اور کثیر صفحات مطلوب ہیں۔

جدید افکار وعلوم سے استفادہ

عصر حاضر کی بیش تر تفاسیر، جدید عصری اور سائنسی علوم سے استفادہ یا عدم استفادہ کے باب میں افراط وتفریط کی شکار ہیں وہ یا تو سائنسی معلومات سے یکسر خالی ہیں یا ان کے تابع اور ان سے متاثر ہیں۔ فی ظلال القرآن کے مصنف کا یہ امتیاز ہے کہ ایک طرف وہ قرآن وسنت اور دینی علوم میں درک اور گہری بصیرت رکھتے تھے اور دوسری طرف انھیں مغربی افکار ونظریات اور فلسفوں پر مکمل عبور حاصل تھا۔ مزید برآں مغرب میں قیام کر کے مغربی تہذیب کی کنہ وحقیقت کو بہت قریب سے دیکھا اور سمجھا تھا، اپنے علمی آفاق کی اس ہمہ گیری، وسعت اور جامعیت کی وجہ سے وہ مغربی علوم اور تہذیب کے نہ تو مکمل شیدائی اور عاشق تھے اور نہ ہی بے لچک ناقد اور بے انتہا متنفر تھے۔ وہ ان کے اچھے پہلوؤں کے قدرداں اور ان سے استفادہ کے داعی تھے اور ان کے مضر اور منفی پہلوؤں سے گریزاں اور محترز تھے۔ ان کی تفسیر کے مطالعہ سے اس باب میں ان کے موقف کی موضوعیت اور اس میں اعتدال کا بے ساختہ انحراف کرنا پڑتا ہے۔[۲۷] بلاشبہ ان کی یہ تفسیر

Marfat.com

عصر حاضر کے ایک صاحب علم وبصیرت فرد کی مجتہدانہ مساعی کا جیتا جاگتا نمونہ ہے۔ اس میں جگہ جگہ انھوں نے ان اشکالات اور سوالات کا تشفی بخش جواب دیا ہے جو جدید افکار و علوم کے فیض یافتگان کے ذہن و دماغ میں کتاب وسنت کے حوالہ سے اٹھتے اور پیدا ہوتے تھے۔ پوری تفسیر کے مطالعہ سے جہاں قرآن اور سائنس اور وحی الٰہی اور عقل انسانی کے مابین صحیح رشتہ اور تعلق کا اندازہ ہوتا ہے وہیں دونوں میں عدم موافقت یا تصادم کی صورت میں قرآنی تصریحات کی حقانیت وارجحیت اور وحی الٰہی کے غلبہ وتفوق پر ایمان و یقین کے لیے مضبوط دلائل فراہم ہوتے ہیں۔

سائنس کی بنیاد انسانی عقل اور تجربہ پر ہے۔ سید قطب انسان کی عقل اور اس کی قوت مشاہدہ وتجربہ کی اہمیت کے قائل ہیں۔ یہ انسانوں کے لیے ان کے خالق کی طرف سے بہت بڑا تحفہ ہے۔ ان کے مطابق انسان اس کے ذریعہ کائنات کے اندر موجود پائیدار اصولوں اور قوانین میں سے بعض کا پتہ لگاتا ہے اور موجودات عالم کی طبیعت اور خواص کو سمجھنے کی کوشش کرتا ہے۔ پھر انھیں اپنی مختلف ضروریات کی تکمیل اور اپنی گوناگوں ترقیات کے لیے استعمال کرتا ہے۔ لیکن ان سب کے باوجود چونکہ انسانی عقل کی رسائی محدود ہے اور اس سے حاصل شدہ نتائج قطعی اور آخری نہیں ہوتے اس لیے محض عقل کے ذریعہ، وحی اور رسالت سے ثابت شدہ حقائق کو جانچنا اور پرکھنا، انتہائی نامناسب ہے۔ ۲۸

سید قطب نے اس بات پر بے حد زور دیا ہے کہ قرآن مجید میں جس جگہ بھی کائنات اور اس کے مظاہر اور موجودات کا تذکرہ کیا گیا ہے اس کا مقصد صرف یہ ہے کہ انسان ان کے ذریعہ ان کے خالق اور اپنے مقام ومرتبہ کی معرفت حاصل کرلے اور رشد و ہدایت کے مطلوبہ مقام پر پہنچ جائے۔ ظاہر ہے مشاہدہ اور احساس کے دائرہ میں آنے والے حقائق کے ذریعہ غیر مشاہد اور غیر مرئی حقائق تک پہنچنا آسان ہوتا ہے۔ اس مضمون کو انھوں نے اپنی تفسیر میں بہت شرح وبسط سے بیان کیا ہے ان میں سورہ فاطر (آیت ۲۷/ ۲۸) ۲۹ اور سورہ آل عمران (آیت ۱۹۰/ ۱۹۱) ۳۰ کے حواشی بطور خاص لائق مطالعہ ہیں۔

Marfat.com

جدید سائنسی معلومات سے استفادہ اوران کے حوالہ کے دوران انھوں نے بار بار یہ وضاحت بھی کی ہے کہ قرآن مجید کوئی سائنسی کتاب نہیں ہے۔ اور نہ ہی اس کے بیانات اور تصریحات کا سائنس سے ثابت ہونا ضروری ہے۔ قرآن اللہ کا کلام ہے اور اُس کا مقصد انسان کو رشد و ہدایت سے ہمکنار کرنا ہے۔ اس کے لیے اس نے جو دلائل و براہین فراہم کیے ہیں ان کا ایک حصہ کائنات اور اس کی اشیاء سے متعلق ہے۔ خالق کائنات نے اپنی مصلحتوں کے تحت اپنی کائنات کے جن حقائق سے آگاہ کیا وہ حتمی اور یقینی ہیں۔ ان کا جائزہ انسان کی عقلی اور فکری کاوشوں سے لینا، حد درجہ کی زیادتی اور ظلم ہے۔ اس ضمن میں ان کے خیال سے صحیح واقفیت کے لیے سورہ المومنون کی ابتدائی آیات میں ان کے تفسیری نوٹس کا مطالعہ مناسب ہوگا۔ اس میں ایک جگہ وہ لکھتے ہیں:

''انسانی تخلیق کی یہ حقیقت ہمیں قرآن سے معلوم ہوتی ہے۔ ہم ان کی تصدیق، جدید نظریات سے نہیں طلب کریں گے، یہ نظریات انسانی تخلیق کی مختلف کڑیوں کو ملانے کی کوشش کرتے ہیں، جو صحیح بھی ہوسکتی ہیں اور غلط بھی۔ ہمیں چاہیے کہ ہم قرآن کی بیان کردہ تفصیل پر ایمان لائیں۔ سائنسی نظریات کا معاملہ یہ ہے کہ وہ آج ایک بات کو ثابت شدہ قرار دیتے ہیں اور کل خود ہی اس کی تردید کردیتے ہیں''۔[۳۱]

جدید سائنسی معلومات سے استفادہ کی ایک بہترین مثال سورہ الاعراف کی آیت ۱۷۲ ہے۔ جس کی تشریح کرتے ہوئے انھوں نے نسل انسانی کی بقا و ارتقا میں کارفرما موروثی اثرات کی اہمیت کو جدید سائنسی اکتشافات اور اعترافات کی روشنی میں ثابت کیا ہے۔ اس کی دوسری مثال سورہ فصلت آیت نمبر ۵۳ ہے، جس کی تفسیر میں انھوں نے بیسویں صدی میں علوم وفنون کی ترقیوں اور کائنات اور نفس انسانی کے بہت سے راز ہائے سربستہ سے انسانوں کی واقفیت کو اللہ تعالیٰ کے وعدہ (ارائۃ آیات) کی تکمیل قرار دیا۔[۳۲]

لیکن سائنس کی مفید معلومات سے استفادہ اور سائنسی ترقیوں کو سراہتے ہوئے انھوں نے سائنس کے نقائص اور مضر پہلوؤں پر بھی تفصیل سے روشنی ڈالی ہے۔ اس سلسلے

Marfat.com

میں ان کا نظریہ یہ ہے کہ آج کا انسان اگر کائنات سے متعلق اپنی معلومات کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کی قوت، حکمت اور طاقت کا اندازہ کرتا ہے اور ان سے اُس کا اپنے رب سے تعلق مضبوط اور پختہ ہوتا ہے تو یہ معلومات مستحسن اور مفید ہیں۔ لیکن آج کی سائنس کا معاملہ اس کے بالکل برعکس ہے۔ اس کی بنیاد مادیت اور خدا فراموشی پر ہے اس لیے یہ انسانوں کے لعنت اور ان کی زندگی کے لیے خطرہ بن گئی ہے۔ اس کے باعث ہر جگہ خوف و دہشت کا ماحول اور چہار جانب بے چینی اور اضطراب کا دور دورہ ہے۔ ۳۳

اس اصول کی روشنی میں انھوں نے مغرب کی خدا بیزار تہذیب کی زیر سرپرستی قائم، مروجہ باطل افکار و نظریات کی پرزور تردید کی ہے۔ چنانچہ ڈارون کے نظریۂ ارتقا، مارکس کے نظریہ تاریخ، سیکولرازم، سوشلزم، سرمایہ داری، مغربی طرز جمہوریت اور صہیونیت پر ان کی بہت سخت تنقیدیں ان کی تفسیر کے متعدد مقامات پر ملاحظہ کی جاسکتی ہیں۔ جدید تہذیب اور علوم کے معماروں اور سرپرستوں کی امور غیب سے لاپروائی اور عدم اعتنا پر وہ بہت زیادہ ناراض ہیں۔ انھوں نے زور دے کر لکھا ہے کہ ''یہ دور جدید کی بہت بہت بڑی جہالت ہے۔ انسانی فطرت اور انسانی علوم کی تاریخ دونوں اسے مسترد کرتے ہیں۔ یہ در اصل صہیونیوں کی سازش کا ایک حصہ ہے۔ یہ شر پسند انسانی فطرت کے ہر اچھے وصف کو ختم کر دینے کے درپے ہیں۔'' ۳۴

انھوں نے بعض قدیم و جدید فلاسفہ کے اس خیال کو رد کیا ہے کہ ''پوری کائنات اور اس کے مظاہر انسان کے دشمن اور اس کی ترقی کے راہ میں حائل ہیں۔ اور انسان اپنی پسند اور ارادہ سے اس مخالفت کی بنا پر کوئی قابل ذکر کارنامہ انجام نہیں دے سکتا ہے'' اس کے مقابلہ میں انھوں نے انسان کے بلند مقام، اس کی خلافت اور اس کے لیے کائنات کی تسخیر سے متعلق قرآنی تصریحات کی روشنی میں انتہائی معقول دلائل فراہم کیے ہیں۔ ۳۵

تفسیر کے مآخذ

بلاشبہ تفسیر ''فی ظلال القرآن'' دینی معلومات کے ساتھ بہت سے معاصر علوم اور

Marfat.com

نظریات کا انسائیکلوپیڈیا ہے، اس کی وجہ اس کے مصنف کی دین اسلام کے بنیادی مآخذ -قرآن وسنت- پر گہری نظر، اقوال صحابہ وتابعین اور کتب تفسیر وحدیث کا بالاستیعاب مطالعہ، حضرت محمد کی رسالت سے قبل کے مذاہب، ادیان ونظریات اور شخصیات سے کامل واقفیت، تاریخ عالم، تاریخ عرب اور تاریخ اسلام پر پورا عبور اور جدید مغربی تہذیب اور اس کی پشت پر کارفرما نظریات اور علوم وافکار سے مکمل آگہی ہے۔ مذکورہ علمی وفکری ذخائر پر عرصۂ دراز تک غور وفکر اور مطالعہ وتحقیق کے نتیجہ میں ان کے ذہن ودماغ کی ایک مخصوص کیفیت اور ان کی پوری شخصیت کی ایک منفرد شناخت بن گئی تھی جو اجتہاد، تخلیق اور ابتکار سے عبارت تھی۔ ان کی یہ تفسیر ان کی ہمہ جہت علمی وفکری صلاحیتوں کی آئینہ دار ہے۔ اس تفسیر میں بے شمار اور ان گنت ایسے مواقع اور مقامات ہیں جہاں مختلف موضوعات پر انھوں نے ایسی مفید اور قیمتی باتیں قلمبند کی ہیں جن کا مطالعہ کر کے عقیدہ، فکر، فلسفہ اور تمدن کے حوالہ سے بے شمار سوالات کا جواب اور اشکالات کا حل سامنے آجاتا ہے اور قاری کو سکون اور اطمینان کی دولت نصیب ہوتی ہے اور دین اسلام کی صداقت اور حقانیت پر اس کے ایمان ویقین میں استحکام اور پختگی آتی ہے۔

یہاں اس امر کی شدید ضرورت محسوس ہوتی ہے کہ اس عظیم الشان اور مایہ ناز تفسیر کے ان مآخذ اور مصادر کا مختصر تعارف پیش کیا جائے جن کے باعث اس کی قدر و منزلت اور اہمیت وافادیت میں بیش از بیش اضافہ ہوا۔ اس مقصد کے تحت جب اس کا مطالعہ کیا گیا تو یہ حقیقت سامنے آئی کہ اُس کے مصنف کے افکار و خیالات کی تکوین و تشکیل میں جس کتاب نے سب سے اہم کردار ادا کیا وہ قرآن مجید ہے۔ اس کے بعد سنت نبوی ہے جس تک رسائی حدیث کے ان مجموعوں سے ممکن ہوئی جو محدثین کرام نے بڑی سعی و جہد کے بعد مرتب کیے تھے۔ پھر صحابہ کرام اور تابعین عظام کے اقوال اور قدیم علماء امت اور ائمہ دین کی وہ مصنفات ہیں جن کا ایک حصہ تفسیری کتب ہیں اور جن کے دیگر اجزاء میں سیرت، تاریخ، فقہ، کلام، اسرار دین وشریعت سے متعلق کتب آتی ہیں۔ سید قطب نے دین اسلام کے ان بنیادی مآخذ اور مصادر سے بھرپور استفادہ کے ساتھ قدیم

Marfat.com

آسمانی اور غیر آسمانی مذاہب، ادیان اور افکار ونظریات کے مصادر کا بھی گہرائی سے مطالعہ کیا تھا اور ان کا تنقیدی و تحلیلی جائزہ لیا تھا۔ ان کے علاوہ انھوں نے دور حاضر کے مسلم علماء اور غیر مسلم مفکرین، دانش وروں اور سائنس دانوں کی تصانیف اور عصری (سماجی، سیاسی اور اقتصادی اور تہذیبی) افکار ونظریات کا انتہائی باریک بینی اور کھلے ذہن و دماغ سے مطالعہ کیا تھا۔

اس وسیع مطالعہ، طویل غور وفکر اور مجتہدانہ زاویہ نظر کی وجہ سے انھوں نے جہاں اپنی تفسیر میں حدیث کے تمام مجموعوں، بطور خاص بخاری، مسلم، مسند احمد اور سنن ابوداؤد سے بہ کثرت احادیث نقل کی ہیں وہیں مفسرین، مورخین اور سیرت نگاروں میں سے ابن ہشام، ابن اسحٰق، ابن جریر، ابن کثیر، زمخشری، قرطبی، ابن حزم، ابن قیم اور مقریزی رحمہم اللہ کی تصانیف یا ان کی روایات سے اپنی تفسیر کے بے شمار مقامات پر استفادہ کیا ہے اور ان سے طویل اقتباسات نقل کیے ہیں۔ انھوں نے دوسرے مذاہب اور ادیان کے مآخذ، خاص طور سے عہد نامہ قدیم و جدید (تورات اور انجیل)، اسی طرح قدیم یونانی، رومی، ایرانی اور ہندوستانی تہذیبوں اور ان کی پشت پر کارفرما افکار ونظریات کا تعارف پیش کرنے والے جدید وقدیم مصادر کی طرف مراجعت اور ان سے استفادہ کیا ہے۔ جدید مصادر سے مراد وہ تحقیقات اور علمی و تصنیفی کاوشیں ہیں جو گزشتہ تین یا چار صدیوں کے دوران یورپ اور دنیا کے بعض دوسرے علاقوں میں انسانوں کے اس کرہ ارض پر وجود، ان کے نسلی، تہذیبی اور سماجی ارتقاء، ان کی تاریخ کے مد و جزر، زمین پر ان کی سلطنت اور حکمرانی کی اہم علامات اور نقوش کی تلاش و جستجو، ان تک رسائی اور ان کی پیش کش کے حوالہ سے ہوئی ہیں اور ان سب کے نتیجہ میں قدیم اقوام وملل اور افراد واشخاص کے تعلق سے ایسے حقائق اور انکشافات سامنے آئے جن سے گزشتہ زمانے کے لوگ ناواقف تھے۔ سید قطب ان تمام علمی تحقیقات سے بالواسطہ یا بلاواسطہ واقف تھے اور ان کا تذکرہ اپنی تفسیر کے مختلف مقامات پر کیا ہے۔[۳۶]

انھوں نے جدید زمانے کے جن مسلم علماء اور محققین کی تصانیف کا حوالہ دیا ہے

Marfat.com

ان میں محمد عبدہٗ، رشید رضا، عبدالقادر عودہ، محمد قطب، ابوزہرہ، عبدالقادر مغربی، ابوالاعلیٰ مودودی اور ابوالحسن علی ندوی رحمہم اللہ عزوجل وغیرہم قابل ذکر ہیں۔ انھوں نے برصغیر کے موخر الذکر دونوں علماء کا تذکرہ اور ان سے استفادہ بہت احترام واکرام کے ساتھ کیا ہے۔ مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ کو ایک جگہ ''المسلم الصادق'' ۳۷ اور ایک دوسری جگہ ''المسلم العظیم'' ۳۸ کہا ہے اور ایک جگہ ان کی کتاب ''سود'' کے مباحث کو ''البحوث الدقیقۃ القیمۃ'' جیسے الفاظ سے تعبیر کیا ہے۔ ۳۹ اسی طرح ایک مقام پر مولانا سید ابوالحسن علی ندوی مرحوم کی کتاب ''ماذا خسر العالم بانحطاط المسلمین'' کو اپنے موضوع کی منفرد کتاب قرار دیا ہے۔ ۴۰

انھوں نے مغربی مفکرین اور سائنس دانوں کی تصانیف اور تحقیقات کا حوالہ اکثر و بیش تر قرآن مجید کی ان آیات کی تشریح وتوضیح کے دوران دیا ہے جو کائنات، اس کے مظاہر، اس کی اشیاء، انسان کی تخلیق کے واقعہ، اس کے وجود کی حقیقت، اس کے مقام و مرتبہ، اس کے فرائض اور ذمہ داریوں وغیرہ سے بحث کرتی ہیں اور ان کی طرف انسانوں کو غور وفکر اور ان سے صحیح نتیجہ اور رہنمائی حاصل کرنے کی دعوت دیتی ہیں۔ اسی طرح انھوں نے مغربی افکار ونظریات کا تذکرہ (جو کبھی کبھی استفادہ کی غرض سے کیا ہے اور اکثر وبیش تر نقد وجرح کے مقصد سے) ان آیات کی تفسیر کے ذیل میں کیا ہے جن میں دین اسلام کے بنیادی تصورات زیر بحث آئے ہیں۔ انھوں نے ان دینی تصورات مثلاً ایمان بالغیب، ایمان بالرسالۃ، ایمان بالآخرہ، ہدایت بالقرآن، عبادت اِلٰہ واحد، وغیرہ کی انتہائی مضبوط دلائل، بھرپور جرأتِ ایمانی اور کامل عزم ویقین سے ترجمانی اور وکالت کی ہے اور ان کے بالمقابل مغربی تصورات مثلاً ہر قسم کی ہدایت کے لیے عقل انسانی پر انحصار، کسی مافوق الفطرت ہستی کے وجود اور اس کی رہنمائی کی ضرورت کا انکار، مادہ پرستی، اباحیت پسندی، قوم پرستی، اشتراکیت، سرمایہ داری، صہیونیت، فرعونیت وغیرہ پر خوب جم کر تنقید کی ہے اور ان کے دلائل کے ضعف اور بے وزنی کو اجاگر کیا ہے۔ ۴۱ انھوں نے ان مغربی مفکرین اور ان کے نظریات کا تذکرہ کبھی ان کے نام کی صراحت کے ساتھ کیا ہے اور کبھی نام لیے بغیر ان کے افکار کو ان کی طرف منسوب کر کے۔ مثلاً ''اصحاب العلمیۃ المعاصرۃ''، اصحاب

Marfat.com

الجاہلیۃ الجدیدۃ، صاحب العلمیۃ الاشتراکیۃ، اہل الجاہلیۃ الحاضرۃ، الجاہلیۃ الجدیدۃ" وغیرہ۔۴۲ تذکرہ کا یہی طریقہ انھوں نے بعض معاصر مسلم دانشوروں کے سلسلے میں بھی اختیار کیا ہے۔ خاص طور سے وہ اصحاب جو مغربی فکر و فلسفہ سے متأثر اور مشرق میں ان کی ترویج و اشاعت کے لیے کوشاں اور فکر مند تھے۔ ان کا تذکرہ ان کے نظریات مثلاً وطنیت، شعبیت، عقلیت اور حریت وغیرہ کی نسبت کے ساتھ کیا ہے۔۴۳

مراجع اور مصادر کی یہ بحث، اس حقیقت کے اظہار کے بغیر ناقص رہے گی کہ اس تفسیر کے مصنف نے سب سے زیادہ اقتباسات اور حوالے، خود اپنی تفسیر اور اپنی کتابوں سے اخذ اور نقل کیے ہیں۔ سورتوں سے متعلق ابتدائی اور تمہیدی مباحث میں انھوں نے کثرت سے سابقہ سورتوں کے مباحث کا حوالہ اور ان کی طرف مراجعت کا مشورہ دیا ہے۔ اسی طرح مختلف الفاظ، آیات اور تراکیب کی تشریح و توضیح کے دوران بھی انھوں نے اپنی تفسیر کے ان مقامات کی نشان دہی کی ہے جہاں وہ ان سے قبل تفصیل سے گفتگو کر چکے ہوتے ہیں۔ تفسیر کے علاوہ مختلف موضوعات پر اپنی وقیع اور مدلل تصانیف سے بھی بہت کثرت سے اقتباسات پیش کیے ہیں اور جدید طرز کے مطابق ان کے حوالے دیے ہیں۔ ان میں سے "التصویر الفنی فی القرآن"، "معالم فی الطریق"، "مشاہد القیامۃ"، "خصائص التصور الإسلامی"، "ہذا الدین" اور "الإسلام ومشکلات الحضارۃ" خاص طور سے قابل ذکر ہیں۔

مذکورہ بالا مآخذ و مصادر کی کثرت اور تنوع کی بنا پر ان میں سے ہر ایک کا تعارف اور ان سے استفادہ کی مقدار اور شکل و صورت کا تعین ایک مشکل اور طویل بحث و تحقیق کا متقاضی کام ہے اس کے لیے فرصت اور صلاحیت کے علاوہ کسی مجلّہ کے محدود صفحات کی تنگ دامنی بھی ایک امر مانع ہے۔ اس لیے ان سب سے صرف نظر کرتے ہوئے صرف تفسیر القرآن بالقرآن کے اصول کی رعایت اور کارفرمائی کی بعض شکلوں اور صورتوں کی وضاحت پر اکتفا کیا جا رہا ہے۔

Marfat.com

تفسیر القرآن بالقرآن

سید قطب کی تفسیر کا سب سے اہم ماخذ خود قرآن مجید ہے۔ اس طرح اسے ''تفسیر القرآن بالقرآن'' کا اعلیٰ نمونہ قرار دیا جاسکتا ہے۔ انھوں نے قرآنی الفاظ وآیات کے مفاہیم و معانی کی تعیین وتشریح میں سب سے زیادہ انحصار و اعتماد قرآن مجید کے استعمالات اور نظائر پر کیا ہے۔ اسی طرح انھوں نے سورتوں کے اغراض و مقاصد، ان میں اور ان کی آیات میں باہمی ربط و تعلق، سیاق کلام اور اسالیب بیان کی وضاحت وصراحت کا جو عظیم کارنامہ انجام دیا ہے اس کی سب سے بنیاد کتاب اللہ سے استفادہ کا یہی نظریہ اور موقف ہے۔ دین اسلام کے مختلف تصورات کی وضاحت، انسانیت کے مسائل کے تجزیہ، انسانی عقائد اور افکار کی تاریخ کے مطالعہ، جدید علمی وتہذیبی نظریات سے استفادہ یا ان پر تنقید وغیرہ میں بھی انھوں نے سب سے قطعی اور مستند دلائل کتاب اللہ سے فراہم کیے ہیں۔ قرآنی قصص اور ان کے اسالیب اور ان کے اغراض وغیرہ پر جو انھوں نے سیر حاصل گفتگو کی ہے اس کا بھی سب سے بڑا ماخذ یہی کتاب ہے۔

قرآنی الفاظ کے معانی کے تعین میں ان کے طریقۂ کار سے واقفیت کے لیے درج ذیل مثالوں سے مدد ملتی ہے:

سورہ المائدہ آیت ۵۰ میں وارد لفظ جاہلیت کی تشریح کرتے ہوئے وہ لکھتے ہیں:

''اس نص سے جاہلیت کا مفہوم واضح ہوجاتا ہے۔ جاہلیت، جیسا کہ اللہ تعالیٰ اور ان کی کتاب بیان کررہے ہیں، انسان پر انسان کی حکمرانی کا نام ہے۔ کیوں کہ یہ انسان کے ذریعہ انسان کی بندگی کرنے، اللہ کی بندگی سے نکل جانے، اس کی الوہیت کا انکار کردینے اور اس کے بالمقابل انسان کی عبادت اور الوہیت کے تسلیم کرلینے کی دعوت دیتی ہے۔''[۴۴]

اسی سورہ کی اگلی آیت ''یَا أَیُّهَا الَّذِیْنَ آمَنُواْ لاَ تَتَّخِذُواْ الْیَهُودَ وَالنَّصَارَی

Marfat.com

أَوْلِيَـــــاء ....'' میں وارد لفظ ولی اور ولایت پر اپنی طویل بحث کا آغاز ان الفاظ میں کیا ہے:

''ولایت کا مطلب یہود و نصاریٰ کی مدد اور ان سے دوستی ہے۔ ان کے دین کی پیروی مراد نہیں ہے، کیوں کہ مسلمانوں سے یہودیت یا نصرانیت کی اتباع کی امید نہیں کی جا سکتی ہے، البتہ وہ ان سے دوستی اور ان کی مدد کے معاہدے کر سکتے تھے اور کیا تھا۔ اس سے انھیں منع کیا گیا ہے۔'' ۴۵

اسی طرح سورہ الاعراف کی آیت ۱۱ میں ''ولقد خلقناکم وصورناکم'' کی تشریح کرتے ہوئے پہلے خلق اور تصویر کا لفظی معنی بیان کیا ہے۔ پھر قرآن مجید کے دوسرے مقام کی ایک آیت ''الذی اعطی کل شئ خلقه ثم هدی'' کی روشنی میں اس کی وضاحت اس طرح سے کی ہے:

''گویا اللہ تعالیٰ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ ہم نے انسان کو صرف پیدا ہی نہیں کیا بلکہ اس کو انتہائی عمدہ صلاحیتوں سے نوازا ہے جن کی بدولت وہ دیگر تمام مخلوقات سے ممتاز ہے۔'' ۴۶

سورہ والتین میں وارد دو الفاظ ''تین'' اور ''زیتون'' کے بارے میں احادیث اور تفسیری روایات میں جو تفصیلات موجود ہیں ان کا خلاصہ پیش کیا ہے پھر قرآن مجید میں لفظ زیتون کے دو اور جگہ استعمال ہونے اور تین کے کہیں اور استعمال نہ ہونے کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''ہم اس سلسلے میں یقین کے ساتھ کچھ نہیں کہہ سکتے۔ قرآنی سورتوں کے انداز اور نظائر پر اعتماد کرتے ہوئے ہم صرف اتنا کہہ سکتے ہیں کہ تین اور زیتون کے تذکرہ کا مقصد ان احکام کی طرف اشارہ اور ان یادوں کو تازہ کرانا مقصود ہے جو ان کے حوالہ سے دین اور ایمان سے وابستہ ہیں یا جن کا تعلق انسان کی بہترین ساخت پر خلقت سے ہے''۔ ۴۷

سورہ والنازعات کی ابتداء میں استعمال شدہ الفاظ ''نازعات''، ''ناشطات''،

Marfat.com

''سابحات'' اور ''سابقات'' وغیرہ کے مفہوم و معنی کی مختصر وضاحت اور اس میں ضمن میں چند روایات کے تذکرہ کے بعد الفاظ کی تحقیق کے سلسلے میں اپنے اصل موقف کی تشریح اور تعارف اس طرح کراتے ہیں:

''ان الفاظ کا مدلول خواہ کچھ ہو یہ جس طرح قرآن مجید میں استعمال ہوئے ہیں ان سے ہمارے احساس میں حرکت اور بیداری، شعور میں اضطراب اور برانگیختگی اور ذہن و دماغ میں کسی خطرناک چیز سے تحفظ اور احتراز کا داعیہ اور جذبہ پیدا ہوتا ہے۔ اس طرح یہ الفاظ انسان کو پیش آنے والی مصیبت کا مقابلہ کرنے کے لیے آمادہ اور تیار کرتے ہیں۔ اس حقیقت کو مدنظر رکھتے ہوئے ہمارا طریقہ کار یہ ہے کہ ہم قرآنی الفاظ کی لغوی تحقیق و تفتیش کو نظر انداز کرتے ہیں تا کہ ہم ان الفاظ اور جملوں کے مزاج اور طبعی تقاضوں کے تحت قرآن کے زیر سایہ زندگی بسر کر سکیں۔'' ۴۸

یہاں انھوں نے حضرت عمرؓ سے متعلق ایک واقعہ نقل کیا ہے کہ ایک دفعہ وہ سورہ عبس کی تلاوت کے دوران اس کی آیت 'وفاکہۃ وابا'' میں لفظ ''ابّ'' کے معنی کے فہم و ادراک کی خاطر کچھ دیر کے لیے ٹھہر گئے لیکن فوراً متنبہ ہوا اور اپنے کو مخاطب کر کے ارشاد فرمایا ''کتاب اللہ میں جو واضح ہو جائے اس کی پیروی کرو اور جو واضح نہ ہو اُسے چھوڑ دو''۔ اس واقعہ سے انھوں نے یہ نتیجہ اخذ کیا کہ ''اس سے کتاب اللہ کے الفاظ کے احترام کی ترغیب ملتی ہے۔ اسی طرح جیسے ایک غلام اپنے آقا کے الفاظ کا احترام کرتا ہے''۔ ۴۹

سورہ الحدید کی پہلی آیت: ''سَبَّحَ لِلّٰہِ مَا فِی السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَھُوَ الْعَزِیْزُ الْحَکِیْمُ '' میں تسبیح کے معنی و مفہوم کی تشریح کرتے ہوئے جو کچھ لکھا ہے اُس سے بھی ان کی مذکورہ موقف کو سمجھنے میں مدد ملتی ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

''اس آیت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ کائنات کی تمام اشیاء اللہ تعالیٰ کی تسبیح بیان کرتی ہیں، اس سلسلے میں ہمیں صرف قرآن کے ظاہری مدلول پر توجہ

Marfat.com

دینی چاہیے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد کافی ہے۔ وہی اس کائنات اور اس کی اشیاء کا خالق اور ان کے اوصاف اور خواص سے باخبر اور آگاہ ہے۔ ہمارا علم اس کے بالمقابل کوئی حیثیت نہیں رکھتا ہے۔ ہمارے پاس اس کے علاوہ کوئی چارہ نہیں کہ ہم تسلیم کریں کہ زمین و آسمان کی تمام چیزوں کے اندر ایک خاص قسم کی روح ہے جس کے ذریعہ وہ اپنے خالق اور مالک کی حمد و ثنا بیان کرتی ہیں۔ اسی خیال کی قرآنی آیات اور احادیث نبویہ سے تائید ہوتی ہے۔ (پھر آیات اور احادیث کا حوالہ ہے) ۵۰

قرآن مجید کے استعمالات اور نظائر کی روشنی میں اس کی کسی آیت یا مجموعہ آیات کی تشریح اور توضیح کی مثالیں تفسیر فی ظلال القرآن کے تقریباً ہر صفحہ پر موجود ہیں۔ اس کے اعتراف و تسلیم کے لیے سورہ فاتحہ کا مطالعہ کافی ہوگا جس کی تفسیر مختصر ہونے کے باوجود قرآن مجید کے دوسرے مقامات کی آیات کے حوالوں سے مزین ہے اس کے علاوہ قرآن مجید کی ہر سورہ میں بعض آیات ایسی ہیں (طویل اور وسیط سورتوں میں ان کی تعداد زیادہ ہے) جن کے مضامین، مواد اور دلائل کو سامنے رکھ کر سید قطب نے بہت تفصیل سے اپنی آراء اور خیالات پیش کیے ہیں۔ اکثر و بیش تر یہ مباحث اپنی طوالت، زور بیان اور طرز استدلال کی بنا پر مستقل مضامین یا مقالات سے مشابہ نظر آتے ہیں۔ ان مباحث میں حدیث، تفسیر، سیرت اور تاریخ کی مستند تصانیف اور کتابوں سے مراجعت کے علاوہ قدیم و جدید علماء، مفکرین اور فلاسفہ و حکماء کے افکار و خیالات سے بھی بھرپور استفادہ کیا گیا ہے لیکن ان سب کے بالمقابل قرآن کریم سے اخذ و استفادہ اور اس کی آیات کا حوالہ اور ان سے استناد و استشہاد کا معاملہ سب سے غالب اور واضح ہے۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ قرآن مجید کی آیات اور ان کے مفاہیم و معانی ان کے ذہن و دماغ میں راسخ، ان کی فکر و خیال میں پیوست اور ان کی زبان و قلم پر رواں دواں ہیں۔ یہاں مثال کے طور پر چند آیات کا حوالہ دیا جا رہا ہے جن کے مطالعہ سے مذکورہ خیال کی تصدیق ہوگی۔

سورہ البقرہ آیت ۲۷۵ (اَلَّذِیْنَ یَاْکُلُوْنَ الرِّبَا لَا یَقُوْمُوْنَ اِلَّا کَمَا یَقُوْمُ

Marfat.com

الَّذِیْ یَتَخَبَّطُهُ الشَّیْطَانُ مِنَ الْمَسِّ .....الخ) ۵۱ میں سود پر بحث، سورہ المائدہ آیت ۳۸ (وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوا أَیْدِیَهُمَا .....الخ) میں جرائم سے متعلق قرآن کے احکام پر گفتگو، ۵۲ اسی سورہ کی آیات ۴۰ تا ۵۰ پر اللہ کی حاکمیت اور انسانوں کی اُس کے احکام و فرامین کی اتباع و تعمیل پر جامع اور تشفی بخش کلام، ۵۳ سورہ الاعراف آیت ۲۰۳ ''هَـذَا بَصَآئِرُ مِن رَّبِّكُمْ وَهُدًى وَرَحْمَةٌ لِّقَوْمٍ یُؤْمِنُونَ '' میں قرآن مجید کی عظمت و اہمیت اور اس کے مقام کی وضاحت، ۵۴ سورہ الذاریات آیت ۲۱ ''وَفِیْ أَنفُسِكُمْ أَفَلَا تُبْصِرُونَ'' میں نفس انسانی کے خواص اور امتیازات کی تشریح، ۵۵ وغیرہ۔

قرآن مجید سے استفادہ اور استناد کی سب سے عمدہ مثالیں وہ مقدمات اور ابتدائیے ہیں جو انھوں نے سورتوں کے آغاز میں تحریر فرمائے ہیں۔ ان میں سورتوں کے نام، زمانہ نزول، اسباب نزول وغیرہ کے علاوہ ان کے مرکزی موضوعات اور ان میں مذکور ہدایت ربانی کے نکات اور دعوت اسلامی کے مراحل کے علاوہ قرآن مجید کی مکی و مدنی سورتوں کے خواص، ان میں یکسانیت اور مماثلت کے پہلوؤں اور متعلقہ سورتوں کے موضوعات اور مضامین پر بہت تفصیل سے بحث کی گئی ہے۔ قرآنی سورتوں اور زیر غور سورہ کی آیات کا بار بار حوالہ اور تذکرہ کیا گیا ہے۔ چنانچہ طویل اور اوسط سورتوں میں سے تقریباً تمام میں انھوں نے نہ صرف ماقبل و مابعد کی سورتوں اور ان کے مضامین کا تذکرہ کیا ہے بلکہ مکی اور مدنی سورتوں کے موضوعات کے امتیازات اور ان کے اسالیب وغیرہ کے تفردات پر بھی روشنی ڈالی ہے۔ ۵۶ ان امتیازات اور تفردات کی نشان دہی کرتے ہوئے انھوں نے سورتوں کے ذاتی اوصاف، ان کے مزاج اور اس کی ساخت وغیرہ پر ایک ایسا پیراگراف تحریر فرمایا ہے جس کا تفسیر کے مختلف مقامات پر اعادہ فرمایا ہے۔ اس کا عربی متن قارئین کی نذر کیا جا رہا ہے:

''ومن ثم یلحظ من یعیش فی ظلال القرآن ان لکل سورة من سورہ شخصیة ممیزة، شخصیة لها روح یعیش معها القلب کما لو کان یعیش مع روح حی ممیز الملامح والسمات

Marfat.com

والانفاس، ولها موضوع رئيسى أو عدة موضوعات رئيسية مشدودة الى محور خاص ولها جو خاص يظلل موضوعاتها كلها، ويجعل سياقها يتناول هذه الموضوعات من جوانب معينة، تحقق التناسق بينها وفق هذا الجو- ولها ايقاع موسيقى خاص- اذا تغير فى ثنايا السياق فانما يتغير لمناسبة موضوعية خاصة وهذا طابع عام فى سور القرآن جميعا ولا يشذ عن هذه القاعدة طوال السور كهذه السورة "۔۵۷

انھوں نے قرآن مجید میں مذکور مختلف انبیاء، اشخاص اور اقوام کے واقعات اور قصص پر بحث کرتے ہوئے استفادہ بالقرآن اور تفسیر القرآن بالقرآن کے اصول کو پورے طور سے ملحوظ رکھا ہے۔ ان کی تفسیر میں ان واقعات کا جہاں کہیں بھی تذکرہ ہوا ہے ان کے مطالعہ کے بعد یہ نتیجہ سامنے آیا ہے کہ ان واقعات کے نقل وتذکرہ اور تشریح وتوضیح کے دوران انھوں نے چار اصولی باتیں ہمیشہ اپنے پیش نظر رکھی ہیں۔

(۱) ان قصص و واقعات سے متعلق ان کی گفتگو ان کے سیاق وسباق اور نظم آیات کے مطابق رہے (۲) کسی ایک موقعہ پر ان کی جو تفصیلات بھی بیان کی گئی ہیں ان کے علاوہ اگر مزید تفصیلات کی ضرورت ہو تو قرآن کے اُن مقامات سے رجوع کیا جائے جہاں ان کا ذکر پہلے ہو چکا ہے (۳) ان سے متعلق تفسیر کی کتابوں میں مذکورہ روایات جن کا بڑا حصہ اسرائیلیات پر مشتمل ہے، سے بہت ناگزیر صورت حال میں استفادہ کیا جائے اور وہ استفادہ بھی انتہائی حزم واحتیاط کے ساتھ ہو (۴) ان سے متعلق کسی ایسی روایت کو قبول نہ کیا جائے جو قرآن مجید کی روح اور اُس کے مقاصد اور شریعت کے اصول اور مسلمات سے متصادم یا متعارض ہو۔

مذکورہ بالا اصولوں کا فہم وادراک ان کی تفسیر کے ان مقامات کے مطالعہ کے بعد ہوا جن میں حضرات انبیاء کرام یا ان کی اقوام کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ ان میں سے بعض انبیاء کی طرف اسرائیلی روایات کے حوالہ سے ایسی بے بنیاد اور بے سروپا باتیں منسوب کی گئی

Marfat.com

ہیں جن سے ان کا تقدس واحترام، امانت ودیانت اور عزت وعصمت کی پامالی ہوئی ہے اور ان کی پوری شخصیت مجروح اور داغ دار ہوئی ہے۔ سوء اتفاق سے ان روایات کا ایک بڑا حصہ تفسیر کی کتابوں میں بھی نقل کر دیا گیا ہے اور ابن جریر طبری اور ابن کثیر جیسے مفسرین بھی ان سے احتراز اور اجتناب کرنے میں کامیاب نہیں ہو سکے۔ حتیٰ کہ بعض روایتیں حدیث کے بعض مستند مجموعوں میں بھی شامل ہوگئی ہیں، ظاہر ہے ایسا ہمارے محدثین کرام کا روایت کے اصولوں پر زیادہ توجہ اور درایت کے اصولوں سے بے توجہی کی وجہ سے ممکن ہوا۔ ان کے موقف کی وضاحت کے لیے سورہ الاعراف آیت ۱۳۵ ''فَلَمَّا كَشَفْنَا عَنْهُمُ الرِّجْزَ إِلَى أَجَلٍ هُم بَالِغُوهُ .....الخ'' کے تحت انھوں نے جو کچھ لکھا ہے اُس کے ایک اقتباس کا ترجمہ کیا جارہا ہے:

> ''ان معجزات کے وقوع کے کیفیت اور شکل وصورت کے بارے میں ہمارے پاس کوئی قرآنی نص نہیں ہے اور نہ ہی نبی کریمؐ سے اس سلسلے میں کوئی صحیح روایت منقول ہے۔ اس طرح کے مواقع پر ہم نے ہمیشہ اپنی تفسیر میں یہ موقف اختیار کیا ہے کہ ہم قرآنی نصوص پر اعتماد اور اکتفا کرتے ہیں۔ ہمارے سامنے قرآن وسنت کی طرف مراجعت کے علاوہ کوئی دوسرا راستہ نہیں ہے۔ ایسا اس لیے ضروری ہے تا کہ اسرائیلیات اور ان بے بنیاد اقوال اور روایات سے احتراز کیا جاسکے جو کتب تفاسیر میں موجود ہیں۔ ان سے کوئی تفسیر مستثنیٰ نہیں ہے حتی کہ ابن جریر طبری اور ابن کثیر کی تفاسیر اپنی عظمت اور قدر وقیمت کے باوجود اس بڑی کمزوری سے محفوظ نہیں رہ سکی ہیں''۔۵۸

ان کے خیال اور نقطۂ نظر کی مزید وضاحت اور تفسیر کے دوران اس کے عملی انطباق کی شکلوں سے واقفیت کے لیے درج ذیل آیات اور ان میں مذکور قصص وواقعات کا مطالعہ مفید ہوگا۔

سورہ البقرہ آیت ۴۰ تا ۷۴ (بنی اسرائیل سے متعلق متعدد واقعات) فی ظلال

Marfat.com

القرآن ج۱، ص۶۳ تا ۸۰/ البقرہ آیت ۱۰۲، (حضرت سلیمان، جادو اور دو بادشاہ) تفسیر مذکور، ج۱، ص۹۵-۹۷ / سورہ آل عمران آیت ۳۳ تا ۶۴ (آل عمرانؑ، حضرت مریمؑ، حضرت عیسیٰؑ) ج۱، ص۳۸۹-۴۰۷/ سورہ الاعراف آیت ۲۶ (حضرت آدمؑ وحواؑ) ج۳، ص۱۲۷۸/ الاعراف آیت ۱۴۵ (الواح موسیٰؑ) ج۳، ص۱۳۷۰/ الاعراف آیت ۱۳۳ (قوم بنی اسرائیل پر مختلف قسم کے عذاب) ج۳، ص۱۳۵۸-۱۳۵۹/ الاعراف آیت ۱۸۹ (ایک آیت کے مدلول کا انطباق آدمؑ وحواؑ پر) ج۳، ص۱۴۱۲/ الاعراف آیت ۱۷۵ (ایک آدی کا واقعہ) ج۳، ص۱۳۹۷/ سورہ المائدہ آیت ۲۷ تا ۳۱ (حضرت آدمؑ کے دو بیٹوں اور ان میں سے ایک کے ذریعہ دوسرے کا قتل) ج۲، ص۸۷۵/ سورہ ص آیت ۱۷ (حضرت داؤد) ج۵، ص۳۰۱۷/ سورہ ص آیت ۲۱ تا ۲۴ (حضرت داؤدؑ) ج۵، ص۳۰۱۸/ سورہ ص ۳۱ تا ۳۴ (حضرت سلیمانؑ) ج۵، ص۳۰۲۰/ سورہ ص آیت ۴۱ (حضرت ایوبؑ) ج۵، ص۳۰۱۲/ سورۃ البروج، آیت ۴، (اصحاب الاخدود) ج۶، ص۳۸۷۲۔

حواشی ومراجع

۱ سید قطب، التصویر الفنی فی القرآن، دار الشروق، بیروت، ب ت، ص۲۰۳

۲ سید قطب کی سوانح حیات اور تصنیفات سے واقفیت کے لیے ملاحظہ ہو:

☆ خیر الدین زرکلی، الاعلام، دار العلم للملائین، بیروت، ۱۹۹۰ء، ۳/ ۱۴۷-۱۴۸

☆ محمد الصباغ، لمحات فی علوم القرآن، المکتب الاسلامی، بیروت، ب ت، ص۱۶۸-۱۶۹

☆ خلیل حامدی، جادہ ومنزل، مرکزی مکتبہ اسلامی دہلی، ۲۰۰۲ء، ص۱۳ تا ۵۹

☆ سید حامد علی، اردو ترجمہ تفسیر فی ظلال القرآن، جلد اول، ہندوستان پبلی کیشنز نئی دہلی، ۱۹۸۸ء، ص۳۳ تا ۳۸

☆ محمد نجات اللہ صدیقی، اسلام کا نظام عدل، مرکزی مکتبہ جماعت اسلامی نئی دہلی، ۱۹۶۰ء، ص۱ تا ۲

Marfat.com

۳؎ محمود احمد غازی، محاضرات قرآنی، اریب پبلی کیشنز نئی دہلی، ۲۰۱۰ء، ص ۲۱۸

۴؎ سید قطب، فی ظلال القرآن، دارالشروق، بیروت، قاہرہ، ۱۹۷۹ء، ج ۱، ص ۱۱

۵؎ سید قطب، مقدمہ تفسیر ''فی ظلال القرآن''، داراحیاء الکتب العربیۃ، طبع ثانی، ج ۱، ص ۵

۶؎ فی ظلال القرآن، دارالشروق، بیروت، قاہرہ، ۱۹۷۹ء، ج ۱، ص ۶۳-۶۴

۷؎ فی ظلال القرآن، ج ۴، ص ۲۲۱۴

۸؎ ملاحظہ ہو، مقدمہ تفسیر سورۃ النساء، ج ۱، ص ۵۵۴ تا ۵۷۱

۹؎ فی ظلال القرآن، ۱/۵۶

۱۰؎ فی ظلال القرآن، ۵/۳۰۱۹

۱۱؎ فی ظلال القرآن، ۴/۲۳۶۴-۲۳۶۷

۱۲؎ فی ظلال القرآن، ۵/۲۸۸۸-۲۸۹۱

۱۳؎ فی ظلال القرآن، ۵/۲۹۱۸

۱۴؎ فی ظلال القرآن، ۱/۵۵۵

۱۵؎ بطور نمونہ ملاحظہ ہو، تفسیر سورۃ البقرۃ، ۱/۳۵ اور ۳۳۹، ۳۴۰؛ تفسیر سورۃ الانبیاء، ج ۴، ص ۲۴۰۰، سورہ سبا ۵/۲۹۱۷

۱۶؎ فی ظلال القرآن، ۴/۲۰۶۶-۲۰۷۶

۱۷؎ فی ظلال القرآن، ۱/۵۵۱

۱۸؎ فی ظلال القرآن، ۴/۱۸۳۹-۱۸۴۰

۱۹؎ فی ظلال القرآن، ۴/۱۹۴۹-۱۹۵۰

۲۰؎ فی ظلال القرآن، ۲/۸۷۵

۲۱؎ سید قطب، التصویر الفنی فی القرآن، ص ۶-۷

۲۲؎ حوالہ مذکور، ص ۷

۲۳؎ پوری کتاب اوسط درجے کے ۲۰۷ صفحات پر مشتمل ہے۔ اسی موضوع سے مشابہ ان کی ایک دوسری کتاب ''مشاہد القیامۃ فی القرآن'' ہے جو دارالشروق بیروت سے شائع ہوئی

Marfat.com

ہے اور جو ۲۳۸ صفحات پر مشتمل ہے۔ دوسری کتاب کے مقدمہ میں پہلی کتاب کے کئی اقتباسات، خود مصنف نے نقل کیے ہیں۔

۲۴ سید قطب، التصویر الفنی فی القرآن، ص ۸

۲۵ حوالہ مذکور، ص ۳۲

۲۶ سید قطب، مقدمہ تفسیر فی ظلال القرآن، الجزء الاول، دار احیاء الکتب العربیۃ، طبع دوم، ص ۶-۷

۲۷ اس موضوع پر تفسیر فی ظلال القرآن کے مقدمہ (طبع دار الشروق بیروت ۱۹۷۹ء) میں بھی بہت عمدہ بحث کی ہے۔ ج اول، ص ۱۶-۱۸

۲۸ سید قطب، التصویر الفنی فی القرآن، ص ۲۰۷-۲۰۸

۲۹ فی ظلال القرآن، دالشروق بیروت، ۱۹۷۹ء، ۵/۲۹۴۲-۲۹۴۳

۳۰ فی ظلال القرآن، ۱/۵۴۳-۵۴۶

۳۱ فی ظلال القرآن، ۴/ ۲۴۵۷-۲۴۵۸

۳۲ فی ظلال القرآن، ۵/۳۱۳۰

۳۳ فی ظلال القرآن، ۱/ ۵۴۵-۵۴۶

۳۴ فی ظلال القرآن، ۳/ ۱۳۸۷-۱۳۸۸

۳۵ مقدمہ تفسیر فی ظلال القرآن، دار الشروق بیروت، ۱۹۷۹ء، ۱/۱۶

۳۶ بطور مثال ملاحظہ ہو، سورہ الاعراف آیت ۱۷۲، فی ظلال القرآن، ۳/۱۳۹۲

۳۷ فی ظلال القرآن، ۳/۱۳۵۴

۳۸ فی ظلال القرآن، ۳/۱۳۲۵

۳۹ فی ظلال القرآن، ۱/۳۲۱

۴۰ فی ظلال القرآن، سورہ البینۃ آیت نمبر ۱، ۶/ ۳۹۴۸

۴۱ بطور مثال ملاحظہ ہو سورۃ الاعراف آیت ۱۰۴، ۳/۱۳۴۶ اور آیت ۱۳۰ تا ۱۳۷، ۳/۱۳۵۶-۱۳۵۸

۴۲ وضاحت کے لیے رجوع کریں سورہ المائدہ آیت ۴۱، ۲/۸۹۱، آیت ۵۰، ۲/۹۰۴-۹۰۵،

Marfat.com

آیت ۲،۵۱/۹۰۹-۹۱۶

۴۳ بعض معاصر مسلم دانشوروں پر ان کی تنقید کے انداز سے واقفیت کے لیے ملاحظہ ہو، سورۃ الفیل، آیت ۱، ۶/۳۹۷۸

۴۴ فی ظلال القرآن، ۲/۹۰۴

۴۵ فی ظلال القرآن، ۲/۹۰۹

۴۶ فی ظلال القرآن، ۳/۱۲۶۴

۴۷ فی ظلال القرآن، ۶/۳۹۳۳

۴۸ فی ظلال القرآن، ۶/۳۸۱۲

۴۹ حوالہ بالا

۵۰ فی ظلال القرآن، ۶/۳۴۷۷-۳۴۷۸

۵۱ فی ظلال القرآن، ۱/۳۱۸-۳۲۷

۵۲ فی ظلال القرآن، ۲/۸۸۲-۸۸۶

۵۳ فی ظلال القرآن، ۲/۲۸۷-۹۰۵

۵۴ فی ظلال القرآن، ۳/۱۴۲۱-۱۴۲۴

۵۵ فی ظلال القرآن، ۶/۳۳۷۹-۳۳۸۱

۵۶ اس طرح کے چند اہم مقدمات کے لیے ملاحظہ ہو: سورۃ البقرہ، ۱/۲۷-۳۵، آل عمران، ۱/۳۴۸- ۳۵۹، المائدہ، ۲/۸۲۵-۸۳۳، الانعام، ۲/۱۰۰۴- ۱۰۲۹، الاعراف، ۳/۱۲۴۳- ۱۲۵۳، الانفال، ۳/۱۴۲۹- ۱۴۶۹، التوبۃ، ۳/۱۵۶۴- ۱۵۸۳، یونس، ۳/۱۷۴۵-۱۷۵۵، ھود، ۴/۱۸۳۹-۱۸۴۸، یوسف، ۴/۱۹۴۹-۱۹۶۸

۵۷ سورۃ البقرہ، ۱/۲۷-۲۸، دوسری سورتوں میں یہی عبارت معمولی فرق کے ساتھ دہرائی گئی ہے: ملاحظہ ہو سورۃ الانعام، ۲/۱۰۱۵، سورۃ الاعراف، ۳/۱۲۴۳

۵۸ ایضاً، ۳/۱۳۵۸-۱۳۵۹

☆☆☆

Marfat.com

اسلامی فقہ پر علامہ ابن رشد کی شہرہ آفاق کتاب

بداية المجتهد ونهاية المقتصد

﴿ مجتہدین کی بنیادی اور طلبہ کی آخری کتاب ﴾

- دور قدیم میں طرز جدید پر لکھی جانے والی فقہ کی پہلی کتاب۔
- تمام مکاتب فکر کی آراء کو قرآن وسنت اور عقل عامہ سے استدلال کے ساتھ پیش کیا گیا ہے۔
- نہایت مختصر مگر پوری جامعیت کے ساتھ فقہی مسائل کے درج ذیل تمام پہلوؤں کو سمیٹتی ہے:

مسئلہ کی نوعیت ـــــ نصوص ـــــ استدلال ـــــ امت کا اجماع

فقہا کے اختلافات واتفاقات ـــــ نصوص کے معنوی احتمالات

نصوص کی صحت اور ضعف ـــــ اور ان پر صاحب تصنیف کا اپنا فیصلہ

اساتذہ وطلبہ اور عام قارئین کے لیے انمول کتاب

صفحات: 1240 مضبوط اور خوبصورت جلد قیمت: روپے

Marfat.com

قرآن مجید کی تفسیریں

چودہ سو برس میں

(قرآنیات پر خدابخش سیمینار میں پڑھے گئے مقالات)

مکتبہ قاسم العلوم

Marfat.com

تاریخ ارض القرآن

سید سلیمان ندوی

Marfat.com

مستشرقین

اور

انگریزی تراجم قرآن

پروفیسر عبدالرحیم قدوائی کے مضامین

مرتب

پروفیسر عبدالواسع

Marfat.com

ادارہ کی چند اہم مطبوعات

بدایۃ المجتہد ونہایۃ المقتصد	ابن رشد رمترجم ڈاکٹر عبید اللہ فہد فلاحی	1300
قرآن مجید بحیثیت ماخذ سیرت	مولانا عمر اسلم اصلاحی	460
مستشرقین اور انگریزی تراجم قرآن	پروفیسر اختر اواسع	220
تفسیر اور اصول تفسیر	فیصل احمد ندوی	340
تاریخ ارض القرآن	علامہ سید سلیمان ندوی	560
قرآن مجید کی تفاسیر چودہ [illegible] میں		560
شاہ ولی اللہ دہلویؒ کی قرآنی خدمات	پروفیسر محمد یسین مظہو صدیقی	360
قرآن مجید کے [illegible] منتخب اردو تراجم کا تقابلی مطالعہ	ڈاکٹر شکیل اوج	360
برصغیر میں مطالعہ قرآن	ڈاکٹر رضی الاسلام ندوی	320
اسلام یہ ہے (علامہ محمد غزالی)	ترجمہ: ابو مسعود اظہر ندوی	360
محمد صلی اللہ علیہ وسلم سب کے لیے	غطریف شہباز ندوی	560
سیرت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم پر اعتراضات کا جائزہ	ڈاکٹر محمد شمیم اختر قاسمی	350
تذکرہ المحدثین (3 جلد)	مولانا ضیاالدین اصلاحی	1600
اسلام اور جدید فکری مسائل	مولانا خالد سیف اللہ رحمانی	480
جرح وتعدیل	ڈاکٹر اقبال احمد محمد اسحٰق	600
رہبر تخریج حدیث	ڈاکٹر اقبال احمد محمد اسحٰق	[illegible]
تاریخ تحفظ سنت اور خدمات محدثین	ڈاکٹر اقبال احمد محمد اسحٰق	6
فقہ اسلامی (تعارف اور تاریخ)	پروفیسر اختر الواسع	340
دین رحمت	شاہ معین الدین ندوی	360
مختصر تاریخ خلافت اسلامیہ	مولانا عبدالقدوس ہاشمی	380
اسلامی فقہ کے اصول مبادی	ڈاکٹر ساجد الرحمن صدیقی	300
معلم لغۃ القرآن (نیا ایڈیشن)	سید اعجاز حیدر	300
تعدیل رجال بخاری	مولانا حبیب الرحمن الاعظمی	340
عصر حاضر کی نفسیاتی الجھنیں اور ان کا اسلامی حل	مولانا سلطان احمد اصلاحی	260

Marfat.com